

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_226104**

UNIVERSAL  
LIBRARY







بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَدْرَسَةُ اَلْمَدِیْنَةِ الْعِلْمِیَّةِ  
بِیْرُطْرَہ

# دُرُودِ الْحَمْدِ

(اَحْسَنُ)

عیسائیوں، دہریوں، نچریوں، اہل سائنس کے مقابلے میں فلسفہ اور سائنس ہی کے  
اصولوں، مذہبِ اہم کی حقانیت، توحید باری تعالیٰ کی عظمت، جلالتِ کلامِ اللہ کی  
صدقت، بعثت، ورسالت، نہایت فصاحت، بلاغت، کیسا مدلل، طرزِ برہنہ، کیسی

(مَرْتَبَہ)

دقیقہ، رموزِ مخفی، دہلی، مجمعِ علومِ ظاہری، باطنی، عالیجناب، مولانا، فاضل، سید، محمد، حسین، صاحب، مدظلہ، العالی

(بِاِہْتِمَامٍ)

کترین، کوئٹہ، حاجی، سید، جان، و، جنت، حسین، تاجر، کتب، پٹنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَدْرَسَةُ اَلْمَدِیْنَةِ الْعِلْمِیَّةِ  
بِیْرُطْرَہ

پہنہ، مبارک، علی، پٹنہ

# مقدمہ

## کتاب دعوتہ الحق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طیک زمانہ وہ تھا کہ چار سو آفاق میں ظلمت چھا رہی تھی اور عالم میں ہر طرف جہالت اور غفلت کی گھنگھور گھٹائیں امنڈا منڈا کر آرہی تھیں بڑی بڑی سلطنتیں اپنی حکومت و سطوت جاہ و جلال شوکت و اقبال کی قوت صرف کر کے رو بہ انحطاط تھیں اور جتنا ادھر زوال تھا اس سے زیادہ دوسری طرف غفلت اور عیش پرستی عروج پر تھی۔ اخلاق جن پر مدار ہے ساری حکومت دولت تمدن اور انسانیت کا بلکہ نظام عالم کا وہ ایسی پستی اور تاریکی میں جا پڑے تھے کہ پھر ان کا ابھرنا محال معلوم ہوتا تھا۔ نہ ہر سب کس گنتی میں تھا کہ اس کا رکھ رکھاؤ کیا جاتا۔ وہ معدوم نہیں ہوا تھا مگر مسخ ہو گیا تھا۔ بت پرستی کے ساتھ بد اخلاقی اس طرح نشوونما پاتی ہے جیسے ساون میں گوسے پہ گھانس۔ اور ایک کو ایک سے وہی رونق ہوتی ہے جو بزنے کو پانی سے۔ غرض تو ہمارے بد اخلاقی بت پرستی گھل مل کے ایسے ایک ہو جاتے ہیں کہ ان میں امتیاز اگر نا مشکل ہو جاتا ہے۔ غیر تمدنہ اقوام کو تو یہ عذر بھی ہو سکتا ہے کہ آپس کے میل جول

اور بربط و ضبط تجارت و حکومت اور دوسری ہزار دن ضروریات کی وجہ سے ایک ملک یا قوم کا اثر دوسرے ملک اور قوم پر ضرور پڑتا ہے اور اسپر عشرت کے سامان اور موجدات ترغیب انسان کے لئے سب سے بڑے بٹ مار ہیں۔ جب جسمانی برائیوں کے اثر سے بچنا محال ہے تو اخلاقی برائیاں اس سے زیادہ ساری اور مستعدی ہیں۔ لیکن کیا ہوا تھا دنیا کے اُس قطعہ کو جو ایک عالم سے قطع تعلق کے کرنے میں پڑا تھا جہاں نہ عیش و عشرت کے سامان تھے اور نہ ترغیب کے سہا جب سے اپنی آزادی اپنے حسن اخلاق اپنی فصاحت اپنی قومیت پر بڑا ناز تھا۔ اموس وہ اس باسے میں اور وہ سے بھی چند قدم بڑھ کر نکلا۔ وہ اس وقت تمام بد اخلاقیوں کا گھر تھا۔ کسی کی جان لے لینا ان کے نزدیک ایک کھیل تھا۔ ذرا ذرا اسی بات پر جس پر بچے بھی نہیں مچلتے وہاں سیکڑوں کا خون ہو جاتا تھا۔ اور یہی نہیں کہ لڑنے مرگٹ کے۔ جھگڑا ختم ہو گیا۔ نہیں بلکہ لڑائی عمر بھر کے لئے ٹھن گئی جو اٹھا قاتل و مقتول کی اولاد کو ملے گی۔ اُن سے قبیلے والوں کو غرض انتقام و کینہ وری کی اتھا ہے کہ قبیلے کے قبیلے صدیوں تک محض ابتدائی ذرا اسی بات پر ایک دوسرے کی تاک میں رہتے اور جب موقع پڑتا لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایسی ایسی سترہ سولڑائیاں ہوتی تھیں۔ اتنی سی تعداد پر اس قدر لڑائیاں خدا کی شان ہے۔ پھر زنا کاری۔ قمار بازی۔ بد کاری۔ شراب خواری ان کا اور ٹھنا پھوٹا تھا۔ کوئی اُن کاموں کو برا سمجھ کر تاہو گا۔ مگر وہ اسے حلانہ اور فریہ کرتے تھے۔ یہ گویا اُن کی زندگی کے کارنامے تھے۔ اُن میں غویان بھی تھیں مگر خوبی اپنے حد سے بڑھ کر عیب ہو گئی تھی اور عیب اپنی حد سے تجاوز کر کے

ہوا عیب ہو گیا تھا۔ وہ خدا کی خدائی میں اس طرح بہتے تھے جیسے جنگل میں شیر  
 تیندے اور چیتے بہتے ہیں۔ انسان اپنے تئیں اشرف المخلوقات کہتا ہے لیکن  
 جب وہ اپنی اصلیت پر آجاتا ہے تو ازل المخلوقات بن جاتا ہے۔ جب ہم  
 اس جزیرہ نما کے باشندوں کی خونریزی۔ کینہ پروری۔ آزادی نما غلامی۔  
 چھچھو پاپن اور اکثر بیکار تہور۔ مادر زاد وحشت۔ خانہ بدوشی اور بیدردانہ فحش  
 کو دیکھتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے ملک کی  
 حالت دیکھتے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے مال میں سے کسی نحی چیز کو  
 اٹھا کر پھینک دیتا ہے اسی طرح گویا قدرت نے اس قطعہ کو بیکار سمجھ کر الگ  
 اٹھا کر پھینک دیا ہے آب و ہوا اول و جگر سوز۔ زمین سنگلاخ و صحرائی۔ زرعیت  
 کی بجائے ریت کے میدان اور ٹیلے دریا اور ندی کا نام نہیں۔ زندگی کا انحصار  
 محض قدرت کی عنایت پر۔ اور خانہ بدوشی اور آوارگی تو فیہ ہون ہی میں لکھی تھی۔  
 جب اس جزیرہ نما اور اہل جزیرہ کے ان حالات پر نظر پڑتی ہے تو یہ خیال  
 آتا ہے کہ گویا وہاں بزبان انجیل "بشیطان کی حکومت تھی" لیکن جس طرح ہر فعل  
 کی ابتدا ہے اسکی انتہا بھی ہوتی ہے۔ اور اس انتہا پر آئندہ ترقی و تنزل کا دار مدار  
 ہوتا ہے۔ جب انسان کی طغیانی سرکشی اور فساد کی انتہا نہ رہی۔ جب برائی  
 بے اعتدالی اور غفلت ایسی حد سے گزر گئی کہ ڈر تھا کہ کہیں دنیا اسکے بوجھ سے  
 دب کر فنا نہ جائے تو قدرت حق کو حرکت ہوئی اور رب ذوالجلال کی رحمت نے  
 جوش مارا۔ وہ تعصب و جہالت کی کالی گھٹائیں جو اس زمین پر تلی کھڑی تھیں۔ اور  
 جس سے ساری دنیا میں ظلمت چھا رہی تھیں۔ یکایک بریں۔ وَهُوَ الَّذِي

يَنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَنَا ۗ اور ایسی برین کہ  
 ساری نحوست اور ولد راز اور ناپاکی کو بھلے گئیں۔ طوفان کم ہوا۔ ہوا میں  
 سکون پیدا ہوا۔ بادل تھکے۔ زمین و آسمان میں نور سنا نمودار ہونے لگا اور  
 یکایک آفتاب بصد اقت کا طلوع ہوا جس کی پاک شعاعوں سے بدعت و  
 شرک کا فور ہو گئی۔ جہالت و تعصب ہوا ہو گیا۔ ضلالت کی تاریخ کی مسٹ گئی  
 اور انوار الہی کے نشان ہویدا ہونے لگے۔ اور ایک سر زمین عرب کیا سارا  
 عالم اس سے جگمگا اٹھا۔ اور وہی وحشت کہہ جو درندوں کا بلجاو ماوا تھا صحیح ظلمات  
 ہو گیا اور آج تک ہے اور تاخیر ہے گا۔ وہ بدعتی و مشرک جو صد ہا سال سے اپنے  
 مالک سے غافل نہ چلے آ رہے تھے اسکے سب سے زیادہ مخلص بندے بن گئے۔  
 وہ سرکش و شہی جو فرمان برداری کے مقابلے میں جان دیدینا سہل سمجھتے تھے ایسے  
 مطیع اور فرمان بردار ہوئے کہ اشاروں پر چلتے تھے وہ خونخوار جنگجو جو آپس میں ذرا  
 ذرا سی بات پر گت مرتے تھے اتفاق کے پتلے ہو گئے۔ اور وہ جو ایک دوسرے  
 کی صورت سے بیزار تھے مان جانی بھائی بن گئے۔ وہ جن کی گھٹی میں تمار بازی  
 اور شراب خواری پڑی تھی اسہا درجے کے پاکباز اور پرہیزگار نظر آنے لگے۔  
 وہ جو خود خانہ بدوش تھے اور جن کے ملک میں ہر طرف وحشت برستی تھی ہی تمدن  
 و تہذیب کے بانی ہوئے۔ اور وہ جو ضلالت و گمراہی میں دبے پڑے تھے۔  
 اب پیغام حق لیکر چار سو آفاق میں پونچے اور ماحی ضلالت و بدعت و  
 محی دین برحق ٹھہرے۔۔

یہ کیا تھا؟ اور کیا سے کیا ہو گیا؟ یہ صرف قدرت حق کا ایک معجزہ تھا؟

زندہ معجزہ تھا جو اب تک باقی ہے اور جب تک ارض و سما میں باقی رہے گا۔ جس چیز کی ضرورت زمانہ کو تھی خدا نے اُسے پورا کیا۔ مگر کس وضاحت سے نکالا اور رازہ مستقیم دکھلایا۔ انجین دین برحق کی ضرورت تھی اور وہ عطا ہوا۔ وہ یقین اور عقیدہ کا زمانہ تھا اور وہ انجین مرحمت ہوا لیکن اب عالم میں ایک اور دور شروع ہوا ہے جو اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ زمانہ تنقید و نکتہ چینی کا ہے۔ اگلی روایات و اقوال کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔ پرانے خیالات اور تمدن میں تزلزل واقع ہو رہا ہے۔ قدیم اصول مدغم پڑتے جاتے ہیں۔ نقل سے عقل کی لڑائی ہے جو نون نقل پیچھے ہستی جاتی ہے عقل آگے قدم بڑھائے چلی آتی ہے اور ہر بات بڑی ہو یا بھلی عقل کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے۔ انہی اور انسانی دونوں قانون پر حروف گیری کی جاتی ہے۔ مذہب کا زور کم ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مذاہب بہروپ بدل بدل کر آتے ہیں مگر کوئی نہیں پوچھتا۔ نیکی۔ بدی۔ بُرائی۔ بھلائی۔ انصاف و ظلم حلال و حرام پر سوال ہے۔ اور ان تعریفوں سے اطمینان نہیں ہوتا جو اب تک ہوتی چلی آتی ہیں۔ اخلاق و مذہب تو درکنار خود خدا کی خدائی میں شبہات پیدا ہو چلے ہیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی جرائم کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اور اسلئے اخلاق کی جڑ کھلی ہوتی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر آزادی کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ تناویلیں کیجاتی ہیں مگر دل کو نہیں لگتیں۔ اسلئے مائل تذبذب اور انتشار ہے۔ سانس ہو وقت ترقی او کماں کی معراج پر ہے۔ اسنے کارخانہ قدرت کا کونہ کونہ چھان مارا ہے اور دنیا کو سرے سے بدل دیا ہے لیکن ساری ترقی عالم کی اُس حصے سے متعلق ہے جسے ظاہر کہتے ہیں اور جو اندرونی شے کا خول ہے۔ عالم باطن کی طرف جاتے ہوئے

وہ ٹھنکتا ہے۔ سائنس کا سارا مدار ہے تجربہ پر۔ مگر وہ باطنی تجربات اور کاشفا کو اپنی سطح پر لانا چاہتا ہے اور یہاں وہ غلطی کرتا ہے اور اسلئے ڈر ہے کہ توہمات باطلہ نے جو مذہب کے ساتھ کیا کہیں اسکی یہ حرکات وہی گت اسکی نہ بنائیں۔ وہ بعض اوقات ان معاملات میں خاموش رہتا ہے اور شاید اسکی خاموشی مدخلت سے زیادہ معقول ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ ہمیں آگے بڑھنے کی حاجت ہی نہیں زیادہ جستجو کی ضرورت ہی نہیں غلط ہے۔ یہاں تک جو قدم بڑھایا تو کیوں اور اسقدر جستجو کی تو کس لئے؟ جبکا شوق زیادہ بلند پرواز جتنکے حوصلے زیادہ فرخ ہین اور جن کے دل میں لوگی ہوئی ہے وہ جستجو کا قدم آگے بڑھاتے ہین اور کچھ حاصل بھی کر لیتے ہین جو پست ہمت ہین وہ رہ جاتے ہین۔ شاید ان کے دل مردہ ہین اور یہی وجہ ہے کہ سائنس کے بعد بھی جو ضرورت باقی رہتی ہے وہ پوری نہیں ہوئی اب رہا فلسفہ اسنے بھی نئے پر پرنے نئے نکالے ہین۔ لیکن کیا یہ اوس بے ترتیبی اور بے اطمینانی کے رفع کرنے کے لئے کافی ہے؟ شاید نہیں۔ فلسفہ کی بنیاد خیال پر ہے وہ خیال اور قیاس کا بادشاہ ہے۔ قابل عمل نہ کبھی ہوا اور نہ ہو۔ اسکی اخلاقی تعلیم اُن نتائج پر مبنی ہے جو اصول مابعدالطبیعات سے مستخرج ہوتے ہین۔ اسلئے وہ مزے لینے کے لئے ہے عمل کے لئے نہیں۔ عام لوگ نہ اُسے سمجھ سکتے ہین اور نہ اسکی طرف توجہ کرتے ہین۔ اسلئے کہ جن تنگ دتاریک اور پیچ در پیچ راستوں سے فلسفی اپنے نتائج تک پہنچتا ہے۔ ہر شخص کا گزر ادھر محال ہے۔ فلسفی ذرا اسی بنیاد پر بڑی بڑی عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیتا ہے لیکن کاٹھ کی ہنڈیا بکتک کام دے گی آخر تھوڑی ہی مدت بعد وہ گرنی شروع

ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک گرتی اور دوسری بنتی ہے۔ اس صدی میں سب سے بڑا زور جس فلسفیانہ اور سائنٹفک تھیوری (قیاس) کا ہے دو لے و لوشن یعنی مسئلہ ارتقا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ سے اہل عالم کے عام اخلاق اور قلوب پر کیا اثر پڑا؟ مانا کہ اس نے تخلیق عالم اور تخلیق انسان کے مسئلہ بڑی سہولت اور اطمینان بخش طریقے سے سمجھا دیئے اور اس نے تمام مشیاء کے نشوونما اور گھٹنے بڑھنے کے اصول بتا دیئے لیکن اس سے انسان کی رنج و راحت فیکل و بدی میں کیا فرق پیدا ہوا۔

باوجود اس ترقی باوجود اس زور شور کے کیا یہ کہنا سچ نہیں ہے کہ دنیا کی ساری ایجادات و اختراعات ایک دل مضطر کو اس قدر سکین نہیں دیکھتیں جسقدر ایک کبیل پوش فقیر کا ادھر رابول دیکھتا ہے۔ سائنس۔ ایجادات مادی اختراعات۔ تمدنی عیش و عشرت۔ ترقی کی سرعت رفتار نے انسان کو اندھا اور دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے حقیقت ذرہ یہ ناپیتر قطرہ یہ پانی کا بلبل اپنی اس بے ثبات ہستی پر قدرت کی چند نرنگیان دیکھ کر پھر آپے سے باہر ہوا چاہتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اسے تھاما جائے اور وہی ضیاء حق جو تیرہ صدی پہلے عالمگیر تاریکی کے مٹانے کے لئے آسمانوں سے نازل ہوئی تھی پھر لائی جائے اور زیادہ زور کے ساتھ لائی جائے کیونکہ وہ پھر بھی جہالت کی ضلالت تھی اور یہ عقل کی ضلالت ہے اور اس لئے وہ روشنی زیادہ تیز کر کے لانی چاہئے تاکہ وہ جرم جو انسان کے دماغ میں گھس

بیٹھے ہیں اس کی تیز شعاعوں سے وہیں مرجائیں اور وہ لوگ جو آفتاب  
 روشن کے ہوتے ہوئے اسکی ہستی سے انکار کرتے ہیں اسکی روشنی سے خود  
 بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں اور کہنا دو ٹھین۔ **اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ**  
**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ سَمَّوَاتٍ وَّ اَرْضٍ** اس قسم کی ضرورت ہیں  
 ایک مدت سے محسوس ہو رہی تھی لیکن ہمارا اخلاقی اور روحانی زوال اس کا  
 مانع رہا چند بزرگوں نے جنھیں خدا نے درد عطا فرمایا، جس ہرگز کو کسی قدر پورا  
 کیا ہے اور اب بھی بعض خدا کے ہندے ایسے ہیں جو اس کی طرف متوجہ  
 ہیں۔ انھیں مستنم لوگوں میں سے مصنف کتاب و **عَوَاقِبُ الْحَجَّجِ** ہے جسے  
 اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور اپنے سلسلہ کی پہلی کتاب لکھ کر ہم سب پر  
 احسان کیا ہے وہ نہ کوئی نامور اور مشہور و معروف شخص ہے اور نہ اس کا شمار  
 بڑے بڑے علماء و فضلاء میں ہے ہم خود اس سے اب تک ناواقف ہیں البتہ  
 اسکی کتاب وساطت معرفت باطنی کی ہوئی ہے وہ بندہ خدا عاشق رسول اور  
 ولد ادہ اسلام ہے جو اسکی کتاب سے ظاہر ہے اسنے جس طریقہ سے دعوتِ نبوت  
 رسالت اور حقانیت اسلام پر بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسنے  
 یہ کتاب دریا سے معرفت میں ڈوب کر لکھی ہے اسنے ایک ایک لفظ سے  
 خلوص و عقیدت اور جوش اسلام پکاتا ہے اسکی فصاحت۔ پاک تھری بنان  
 قوی براہین اور پر جوش الفاظ اسکی اسلامی ہمدردی پر وال ہے اسکے پڑھنے  
 سے اسلام کی حقانیت اس طرح آشکارا ہو جاتی ہے جیسے روز روشن  
 فلسطین کا ایک عیسائی شاعر (ایما ریٹن) کہتا ہے کہ رو سے زمین پر صرف

مسلمانوں کی ایک ایسی قوم ہے جس میں مذہب کی آزادی اور مسالمت پائی جاتی ہے۔ ایک اور انگریز سیاح (سیڈ) مسلمانوں کو الزام دیتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی تسامح اعتدال سے زیادہ ہے۔ ان راپوں کی تصدیق جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدہ کے سیر اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح میری اس لے کی تصدیق کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں وہی فرق ہے کہ جو قدرت اور صنعت میں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی خاص فرقہ کسی خاص قوم کسی خاص ملک یا کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر فرقہ و قوم اور ملک و ملت اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔

مقررین بعض اوقات اسلام پر سب سے بڑا یہ حملہ کرتے ہیں کہ اس میں حصہ اعلیٰ کے ساتھ اسفل بھی ملا ہوا ہے۔ لیکن وہ غلطی کرتے ہیں۔ اسلام نے قواعد اعلیٰ کے زور سے حصہ اسفل کی اصلاح کرنی چاہی ہے۔ اگر اسفل اور اونے کو چھوڑ دیا جائے تو اسکی اصلاح کیونکر ہو۔ کیا اسکے لئے مذہب کے سوا کوئی دوسری قوت درکار ہے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر صاف و پاک اور سادہ زندگی بسر کرے۔ وہ نہ رہبانیت سکھاتا ہے اور نہ ذات پات اور جھوت۔ اسکی تعلیم اعتدال پر ہے۔ مذہب مثل ایک فانوس کے ہے کہ جس کی روشنی آس پاس اور دور و نزدیک کی تمام اشیاء پر پڑتی ہے۔ اسکی بدولت بُری بجلی چیز سب صاف نظر آ جاتی ہے یہی کام مذہب کا ہے جب ہم دنیا میں رہتے ہیں تو مذہب کا یہ فرض ہے کہ ہم دنیا کے

بد و نیک اور اچھے بُرے سے واقف کرے۔ کیا وجہ ہے کہ اسلام دنیا میں  
آنا فانا اس طرح پھیل گیا جیسے آفتاب کے نکلنے ہی روشنی پھیلنی شروع  
ہو جاتی ہے کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدہ کے زمانہ میں دن بدن مسلمانوں  
کو نمایاں کامیابی ہوتی گئی اور ان کے فتوحات زمانہ میں وسیع ہوتے چلے گئے۔  
اور بڑے نامی نامی سلطنتوں نے انکے قدموں پر سر رکھ دیا؟ اسلئے کہ ان میں  
اخلاقی اور روحانی قوت تھی وہ سمجھتے تھے کہ ہم سچ پر ہیں اور اس سچ کی اشاعت  
ہم پر فرض ہے ورنہ اور کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ سٹی بھر آدمی ایک عالم پرچہا ہا میں  
کیا وجہ تھی کہ وہ نامی گرامی اور عظیم الشان ملکیتیں جتنکے نام آج تک عزت و  
حرمت سے لئے جاتے ہیں اور جو تہذیب و شائستگی کے بانی مہمانی اور  
علوم و فنون کے حامی و سرپرست تھیں جن کی شان و شکوہ ساز و سامان  
جنگلی ایجادوں اور فوجی قوت کی دھاک ساری دنیا میں بیٹھی ہوئی تھی کیوں  
یکے بعد دیگرے سپاہیان اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال ڈال کے کھڑی  
ہو گئیں؟ اسلئے کہ روحانی قوت سلب ہو چکی تھی اخلاق میں انحطاط آ گیا تھا  
اسلئے انکا سارا کاروبار زوال پذیر تھا۔ ان کی بزدلی اور نامردی خود اس پر  
دال تھی کہ وہ مسلمان کے سامنے اس طرح سے سم جاتے تھے جیسے شیر کے  
ہوتے جنگل کے جانور۔ کیا وہ مرد نہیں تھے۔ ان کے پاس تلواریں نہ تھیں  
سپاہ نہ تھی فوج نہ تھی سامان نہ تھا؟ سب کچھ تھا اور افراط کے ساتھ تھا مگر  
دور و کو فروغ نہیں۔ ان کا جھوٹ خود انہیں جھٹلا رہا تھا ان کے دل انہیں کو  
ملاست کر رہے تھے۔ قوت جسم پر نہیں ہے قوت روح پر ہے حسین زیادہ

زیادہ سچائی زیادہ اخلاق زیادہ قوت روحانی ہے وہ زیادہ بہادر اور دلیر ہے اور جسکے اخلاق کم زور جس کی روح ضعیف جس کا میلان عیش و عشرت کی طرف ہے وہ زیادہ بزدل اور نامرد ہے۔

مصر سے کون واقف نہیں۔ اس کی تہذیب و شائستگی سب سے قدیم ہے۔ اس کی سلطنت بڑی شاندار اور اس کا تمدن بڑا عظیم الشان تھا۔ اسے قوت۔ دولت۔ اتفاق پر زور حکومت سب کچھ میسر تھا۔ اس میں بڑے بڑے امیر۔ بڑے بڑے عالم۔ جنسلس۔ اور بے شمار غلام موجود تھے اسکے شہر۔ معبد اور یادگار میں جو باوجودیکہ اس وقت کھنڈ ہیں مگر اسپر بھی اپنی نظیر نہیں رکھتیں اور بڑے بڑے انجینیر اور معمار انھیں دیکھ کر حیرت سے دست بندان ہیں۔ وہ مدتوں اپنی قوت اور اپنے تمدن کو بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ امارت و شان کے انتہائی درجہ کو پہنچ گیا۔ ملک زرخیز۔ دولت وافر سامان عشرت کی بہتات۔ غفلت کا غلبہ ہوا اور عیش میں پڑ گئے۔ بت پرستی جس کا اس قدر زور تھا کہ چاند سورج سے لیکر چھوٹے سے چھوٹا جانور تک نہ بچا تھا اس کی عیاشی اور شہوت پرستی کو اور ابھارنے لگی وہاں پرچ اور جھوٹ کی پرش نہ تھی بلکہ رسوم بت پرستی کا ادا ہونا ضروری تھا اس وہی نیک سمجھا جاتا تھا اور وہی ملک میں امن سے رہ سکتا تھا۔ عیش پرستی کی ایک اور نئے دلیل یہ ہے کہ غلاموں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ ایک دفعہ اس خوف سے کہ ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے باعث خطر نہ ہو جائے۔ ان کے بچے دریائے نیل میں پھینک دئے گئے۔ مکاری اور ریاکاری

جھوٹ فریب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آخر کار ایک بندہ خدا اٹھا اور اس نے اپنے قوم سے کہا کہ کب تک یہ ظلم و ستم اور ریا و فریب۔ چلو یہاں سے نکل چلین۔ اس نے مصر سے زرخیز اور دولت کے گھر پر صحر اویسیا بان کو ترجیح دی۔ مگر با نیا ن ظلم و فریب بھی نہ بچے اور خاک میں مل کے ہے۔ کیا حال ہوا بابل اور نینوا کا جن کی تہذیب و شایستگی کا غلغلہ دنیا بھر میں تھا۔ کبر و نخوت اور غفلت کے ہاتھوں سے نہ بچے اور اپنی خودی اور شہوت پرستی کے خود شکار ہو گئے۔ رومۃ الکبریٰ سے جو ملکہ امصار کہلاتی تھی جسکی شان و شکوہ کی کچھ انتہا نہ تھی جس کا ساعیش و عشرت پر شہم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جس کی تجارت۔ حکومت۔ اور دولت کا کچھ شمار نہ تھا جس کی عیش پرستی وہم و گمان سے بڑھ گئی تھی وہاں سب کچھ تھا صرف ایک خدا کا خون نہ تھا وہ غفلت کے نشہ میں ایسے بے خود مدہوش ہوئے اور اس سے ایسے ایسے ناپاک گناہ اور شرمناک بد اخلاقیان صادر ہوئیں کہ دنیا میں نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھیں اور نہ اس کے بعد کبھی ہوں۔ جن کے خیال سے دل دہل جاتا اور قلم تھرانے لگتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا انسان اس وقت اپنی خلافت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ تب تو کیا ہوا وہ سب کچھ مسٹ کے رہا اور اس طبع مشاکہ اب تک لوگوں کے لئے عبرت ہے

لَانْ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِيْ الْاَبْصَارِ ۝ دُنْيَا كَيْه سَبَقُ بے معنی نہیں ہیں اور دنیا کے یہ انقلاب بڑھوں کی

کمانیان نہیں ہیں اگر ان کے کچھ معنی ہیں تو یہی ہیں کہ انسان کا اصلی ذوال  
 اخلاقی اور روحانی ہے اور اس کا اصلی عروج اخلاقی اور روحانی عروج ہے  
 اگر اخلاق خراب ہیں تو مال و دولت، حکومت و ثروت، قوت و عظمت  
 عقل و حکمت کچھ کام نہیں آتا بلکہ اور غارت کر کے رہتا ہے۔ ہمارے پیغمبر  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہاد کی تعلیم دی ہے اور جہاد کی اگر کبھی ضرورت  
 ہو سکتی ہے تو وہ اب ہے۔ کیونکہ عروج کے زمانہ میں اس کی حاجت نہیں اور  
 جب اتمائے پستی میں پہنچ گئے تو اس وقت اتنی ہمت کمان۔ لہذا جہاد کی  
 ضرورت ہے تو اب اور اسی وقت۔ لیکن کونسا جہاد؟ جہاد اصغر نہیں جہاد اکبر  
 ہمیں نفس سے لڑنا ہے اور اس موذی دیو کو پھانٹنا ہے۔ چن چن کے اسکے  
 کھوٹ نکالنے ہیں اور گرگر گڑ کے وہ رنگ دھونا ہے جو ایک مدت سے  
 اس پر چڑھا رہا ہے۔ ہماری نجات اسی میں ہے ورنہ کوئی تدبیر ہماری ترقی  
 کے لئے کارگر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ باقی سب چیزیں فانی اور بے اثر ہیں دین و  
 دنیا دونوں کے حامل کرنے کی یہی ایک کنجی ہے۔

اغلب ہے کہ یہ کتاب **دعوة الحق** ہمارے نوجوانوں کو اس مضمون کی طرف  
 متوجہ کرے اور کیا تعجب ہے کہ بہت سون کو سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کئے  
 کم سے کم یہ ضرور ہے کہ انھیں اس بات کے سوچنے پر ضرور مجبور کر دیں گی کہ ہم جس  
 کاروبار میں منہمک ہیں اسکے سوا بھی کچھ اور ہے اور وہ اور کوئی سرسری  
 اور خیالی شے نہیں بلکہ جان جانان اور روح و روان کائنات ہے۔ جو لوگ  
 فلسفہ و سائنس پڑھ کر ڈانڈوں ڈول ہوتے ہیں انھیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے

کہ توہمات کا نام مذہب نہیں۔ قیاس کا نام فلسفہ نہیں۔ اور نہ ماویات کا نام سائنس ہے۔ بلکہ فلسفہ اور سائنس سچے مذہب کے معین و مددگار اور صداقت کی تلاش میں کارآمد ہیں کیونکہ سائنس کی ہر تحقیق میں صنائع عالم کی قدرت حکمت اور رحمت جلوہ گر ہے۔ فلسفہ و سائنس کو مقصود بالذات نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ وسائل ہیں اس صداقت تک پہنچنے کے جو سبب پر حاوی اور ساری کائنات میں ساری ہے۔ اس امر کی طرف توجہ دلانے کی سبب بڑی ضرورت ہے تاکہ علوم کے حامل کرنے میں ہم رہہ مستقیم سے نہ بہاک جائیں۔ اگر اس کتاب سے یہ تحریک پیدا ہو گئی تو سمجھنا چاہئے کہ ہمیں آئندہ نسلوں کی تربیت میں بڑی مدد ملیگی۔ امید ہے کہ مصنف نے اسلام کی تعلیم پر جس کتاب کے لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اسے بھی وہ بہت جلد پورا کر کے اپنے ابناءے وطن کو زیر بار منت فرمائینگے۔ یوں لکھنے کو کتابین بہت سی لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اچھی کتاب اور ایک ایسی کتاب کا لکھنا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ نادرات میں سے ہے۔ اس کشمکش اور تذبذب کے زمانہ میں اسکی بے انتہا ضرورت ہے۔ اور اس سے بڑھکر ہمارے ملک پر کوئی احسان نہیں ہو سکتا کہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں ایسی کتابیں بن جو ان کے اخلاقی اور روحانی قوت کو اُبھارے۔ اور سطح سے بلند کر دے جو کثیف ہو اُسے محصور ہے۔ فقط

عبدالحق  
حیدرآباد دکن

# فہرست مضامین کتاب دعوت الحق

عنوان مضمون

صفحہ

حمد و نعت	۲
عرض حال	۳۰
آدم پر سر مطلب	۳۰
عیسائی کی تقریر	۴
دہریہ کی تقریر	۱۰
اہل سائنس	۱۴
طالب	۱۶
مسلمان کی تقریر	۱۹
پینچر	۲۵
سائنس	۲۷
توحید	۳۲
رسالت	۴۴
کلام اللہ	۸۷
احکام قرآنی	۹۴
قرآنی قصص	۱۰۱
قرآنی معجزات	۱۰۴
طالب	۱۱۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ السَّلَامُ

عَلَمٌ  
مُتَّعِزٌّ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَوْلَى  
الْمَكِينِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الَّذِي جَاءَ بِالسَّلَامِ  
وَالْحَقِّ وَالْإِيمَانِ  
وَالْحَقِّ وَالْإِيمَانِ

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ الَّذِي آخَذَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا يَشَاءُ وَيُرِيدُ ۚ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

خدا ہی ہے جس نے قرآن مجید نازل فرمایا حق۔ اور ترازو پر نٹلا ہوا۔  
 لے اللہ! تو ہی تھا تو ہی ہے اور تو ہی ہے گا۔ تیرے سوا کچھ ہو بھی تو کسی شے  
 کی ہستی کہی جائے۔ تیری ہستی کے سوا کوئی وجود بھی ہو تو میں اپنے آپ کو میں کہوں  
 اور تیری حمد کا حوصلہ کروں۔ جس کے صفات بھی ذات ہوں تو اُس کے صفات  
 کیا ہوں۔ جس کی صفتیں بھی بے چون و بے چگون ہوں۔ تو وہ بیان کیا ہوں۔ مان  
 یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ جب تو ہی تو ہے تو ساری صفتیں بھی تیری ہی تیری ہیں اور  
 تیرے ہی لئے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اے رسول مجھے! آپ کی ثنا اگر دید و یافت کی آکھیں خیرہ نہو جائیں تو محبت  
 کا مارا ہوا دل کچھ اسکی ہمت کرے۔ اور سوزِ اذہ و داغ کچھ ہوش سنبھالے۔ مگر جو عشق  
 نے اس کام کا بھی نہیں رکھا۔ سر اسر عجز ہے اور عجز کا اعتراف۔ اگر دریا کو زہ میں بند ہو سکے

تو عجز نامقبول۔ اور اگر بارگاہ عالی میں نیاز کے ساتھ عجز کا ہر یہ مقبول ہے تو اس عاجز کا ہر یہ قبول ہو الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ  
 أَلَسَلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ وَآشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 وَآشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ لَا وَرَسُولُهُ۔

## عرض حال

یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام **دعوة الحق** ہے۔ اگر یہ کہوں کہ یہ نام اپنے معنی میں صحیح ہے تو میرے نزدیک ایسا ہی ہے۔ یہ اپنے دل کے پھولے ہیں جو پھوٹتے ہیں۔ اگر کسی کو اس رسالہ کے ساتھ اتفاق ہو تو وہ میرا ہمدرد ہے۔ اگر کسی کو اختلاف ہو تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ بیچ میں میں کون۔ ہاں جو کچھ لکھا گیا صدق و اخلاص سے لکھا گیا ہے۔ اگر غلطیاں ہوں اور ہونگی **وَمَا أْبْرَأُ لِنَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ** تو خدا معاف کرے۔ اگر نہوں تو اس رسالہ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ یا جو چاہے وہ کرے اور جو چاہے گا وہی کرے گا۔ **لَفَعَلُ اللَّهِ مَا يُشَاءُ وَيُحْكَمُ مَا يُرِيدُ**

## آدم برسر مطلب

دنیا میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہی مذاہب ہیں۔ اور سب مدعی اسی کے کہ ہم برسر حق ہیں اور دوسرے سب برسر باطل **كُلُّ شَيْءٍ بِمَا لَدَيْهِمْ قَرْحُونٌ** اگر یہ کہا جائے کہ سب برسر باطل ہیں تو یہ اسی قدر نامقبول اور نامقبول ہے جیسے

یہ کہنا کہ سب بر سر حق ہیں۔ ہاں حق و باطل میں تیز کرنا حق کو باطل سے چن لینا سب کو سوتی  
 پر کستا اور کھرا کھونٹا الگ کرنا یہی عرض ہو جو اس رسالہ سے متعلق ہو۔ لیکن جس طرح انسان  
 مذاہب میں مختلف اور گروہ در گروہ جو اسی طرح اپنی اپنی فطرت میں بھی اسلئے جھین ایمان  
 و ایقان حاصل ہو اور اس پر وہ قانع ہیں چاہے وہ انکے گمان میں تحقیقاً ہو یا واقعی  
 تعلیماً۔ انھیں اب کچھ سمجھنا تو ہے نہیں۔ پھر وہ میرے مخاطب بھی نہیں۔ ہاں جن کا  
 ایمان بلحاظ اب وجہ محض تعلیماً ہے وہ سیدھی راہ پر ہون گے۔ یا غلط راہ پر ہون گے  
 جہاں کی راہ ہوگی وہاں انھیں پہنچنا ہے۔ کوئی اندھا لکڑی کے سہارے چلا۔ آبادی کی  
 راہ پر ہو تو آبادی میں جا پہنچا اور جنگل کی راہ پر ہو تو جنگل میں۔ اور جو ایمان ایقان کے  
 متزلزل ہیں انکی نظر ناک جھانک میں رہتی ہے۔ نہ ادھر ہی جہتی ہو نہ ادھر ہی کبھی تو میت  
 کے جوش میں ابالی مذہب کو سراہتے ہیں۔ اور کبھی ظاہری بھڑک کی جھپٹ میں آکر ادھر  
 ادھر تلکنے لگتے ہیں۔ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝ آخر کار بے پروائی اور  
 بے نیازی کے نشہ میں متوالے ہو کر بے باکانہ گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ پھر توجو زبان پر  
 آجائے وہ ان کا فلسفہ ہے اور جو سمجھ میں آجائے وہ انکی غایت فکر ہے۔ انھیں حق کی  
 تلاش ہے نہ کچھ سمجھنے سمجھانے کی ضرورت۔ بے پروائی نے انکی سماعت اور بصارت  
 مہرین لگا دیں ہیں اسلئے انکے جانب بھی مخاطب بجا اور لا حاصل ہے۔

ہاں تیسرا گروہ تجسس اور حق کا طالب ہوا سکے لئے بھی قدم قدم پر کانٹے پھینکے ہیں اور  
 چپے چپے پر انگائے رکھے ہیں۔ ہر طرف ایک جماعت کھڑی پکار رہی ہے کہ آدیرے گروہ  
 میں۔ اور کوئی کہتا ہو کہ میری آزاد یوں کو دیکھو۔ کوئی کہتا ہے میرے نشوونما اور میری  
 کامیابیوں کو دیکھو۔ کوئی معاوضہ کی تھیلیاں لاتا ہے تو کوئی لالچ کا سبز باغ دکھاتا ہے

غرض اسی چچان بنان میں اُسے چار بڑے بڑے گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک عیسائیوں کا۔ ایک دہریوں کا۔ ایک اہل سائنس۔ اور ایک مسلمان کا۔

اگر کوئی طالب حق نکلا بھی تو کسے چار بڑے بڑے گروہوں کا سامنا ہوتا ہے وہ گہرا کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور اگر طالب حق کی تحریک جو بعض انسان کو پھیلا بیٹھنے نہیں دیتی اور اسکے دل میں پٹکیاں لیتی رہتی ہے تو وہ ان چاروں کی طرف توجہ کرتا متوجہ ہو کر پوچھنے لگتا ہے کہ تمہاری کثرت نے میری توجہ کو مائل تو کیا اور تمہارے افراد کی قابلیتوں نے میرے دماغ میں تمہارے لئے جگہ بھی بنالی۔ اور میں تمہاری پکار بھی سنی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد بھی سنوں۔ اور حقایق کے دلائل بھی۔ اگر عقل سلیم نے تسلیم کر لیا اور بیچین دل نے چین لے لیا تو پھر میں اسے قبول کر لینے اور اُس گروہ میں ملجانے کو بھی تیار ہوں۔

یہ سنکر چاروں گروہ کا ایک ایک شخص کھڑا ہوتا اور یکے بعد دیگرے اپنی اپنی تقریر شروع کرتا ہے۔

## عیسائی کی تقریر

اس روشن زمانہ میں فلسفہ اور سائنس کے ترقی خیز حملوں نے عیسائیوں کو دو گروہ کر دیا ہے بعض عقل یعنی فلسفہ اور سائنس کے ہوسے اور بعض مذہب کے کیونکہ عقل و مذہب کو جمع کرنا تو آگ پانی کو اکجا کرنا ہے۔ آگ کا کام دے سکتی ہے اور پانی پانی کا عقل بنی جگہ پر اور مذہب اپنی جگہ پر فلسفہ اور سائنس کے کوششے تو بدیہی ہیں مگر مذہب نے بھی جس طرح جہل پر اپنا سکہ بٹھایا ہے اسی طرح عقل پر مذہب ہی کے آگے عقل اور جہل دونوں نے سر ڈالا ہے۔ مذہب نے عقلمند کو اسی طرح منوایا اور پابند کیا ہے جس طرح جہلمند کو۔ پھر مذہب جسے جہل اور عقل دونوں پر حکومت کی ہے اسے خلاف عقل سمجھنا سراسر عقل کے خلاف ہے۔

عقل ہر اجملا سمجھا کر الگ ہوتی ہے اور مذہب عملی قوت کا محرک ہوتا ہے اسلئے جسے اسکی پناہ پکڑنی وہی ہر اجملا سمجھنے اور نہ سمجھنے پر بھی کل نہیں تو بہت کچھ برائیوں سے بچ نکلا۔ اسکی ہزاروں مثالیں عالم میں موجود ہیں۔

ہم عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کا بیٹا یسوع مسیح اور روح القدس یہ تین خدا ہیں اور تینوں ملکر ایک خدا۔ یہ سمجھنے کی نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ مانتے مانتے جب یقین کامل ہو جاتا ہے تو ایسا ہی سمجھ میں بھی آنے لگتا ہے۔ یہی تثلیث ہے جو ہمارے مذہب کا اصل اصول ہے۔ جو صرف یہ مان لیگا آسمان کی بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ اور وہ باپ جو آسمان پر ہے اُسے نجات دے گا کیونکہ ایسے ماننے والوں کے اگتاہ کے عوض خود خدا کے بیٹے نے اپنی قربانی گوارا کی۔ اور تین دن تک جہنم میں

رہنا قبول کیا۔ اور قوم کو نجات لانی خصوصیت ہمارے ہی مذہب کو حاصل ہے کہ صرف اس عقیدہ کو  
 مان لینے سے نجات یقینی ہو جاتی ہے۔ مذہبی احکام کی تعمیل چونکہ وہ مقتضائے عقل ہیں ضروری  
 اور اولیٰ ہے۔ مگر نجات اس پر منحصر نہیں۔ نجات کے لئے تثلیث کو ماننا ضروری ہے یہ تثلیث  
 ہم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ یہ مان لینے کی چیز ہے سمجھنے کی نہیں۔ پھر ناحق عقل اس میں  
 کیوں تھکانی جائے کہ خدا کو بیٹا کیونکر ہو اکیسا ساری دنیا کے تو بیٹے ہوں اور خدا کے  
 ایک بھی نہ ہو۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اپنا سا ایک بیٹا پیدا کرے۔ کیا معجزات حضرت یسوع  
 مسیح کافی شہادت نہیں ہو سکتے۔؟ یوحنا رسول انجیل معجزات اور قدرتوں کو دیکھ کر ایمان  
 لائے تھے کیا یہ باتیں اور ان کے ایمان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں؟ کیا لوگوں نے  
 اسی دنیا کو بس سمجھ لیا ہے اور نجات کے طالب نہیں ہیں۔؟ اگر ہیں تو میں انہیں  
 یقین دلاتا ہوں کہ اسکی صورت بجز تثلیث کے تسلیم کے کوئی دوسری نہیں۔ اگر تثلیث  
 سمجھ میں نہ آئے اور تم سمجھنا ہی چاہو تو اسے یوں سمجھو کہ ایک تو خدا وہ جو آسمان پر ہے۔  
 دوسرے حضرت یسوع مسیح خدا کا بیٹا اور تیسرے روح القدس۔ یعنی وہ واسطہ جو درمیان  
 باپ اور بیٹے کے ہے۔ اب تو تثلیث سمجھ میں آگئی۔؟

**طالب تمہاری باتیں تو میں نے سنیں۔ مگر جب تمہارے وہ عقائد جو اصول مذہب**  
**ہتائے گئے۔ سمجھنے سمجھانے کے نہیں صرف مان لینے کے ہیں۔ تو ان پر تقریر بجا ہے۔ تم نے**  
**جو کچھ کہا وہ اپنی کتاب مقدس سے کہا۔ مگر اسکی حقانیت پر کوئی دلیل نہ پیش کی۔**

خدا یعنی آسمانی باپ کو تو تم نے کہا۔ مگر اُسکا ہونا ہی کیا ضرور ہے۔ مان بھی لیا جاؤ  
 کہ جو تو وہ باپ مسیح کا اگر من حیث خالق ہونے کے ہے۔ تو تمہارے ہی مذہب کی رو سے  
 وہ سب کا ہی ہے ہمارا بھی تمہارا بھی۔ اور اگر من حیث توالد و تناسل جو تو یہ پیدائش میں

مان اور باپ دونوں شریک ہیں۔ اسلئے ایک خدا انکی مان کو بھی کہو۔ پھر تہی ثلثت نہ رہی ترمیع ہو گئی۔ یعنی چار خدا ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدا مسیح کی صورت میں آیا اور اُسے سبھی روپ بھرا۔ تو یہ دریا کا کوزہ میں سمانا ہے۔ مان بھی لیا جائے تو اس صورت میں مسیح کی صورت خدا کی صورت ہوگی۔ گویا خدا اپنی صورت میں دیکھا گیا اور مسیح کہلایا جب بھی وہ خدا سے الگ کوئی دوسری چیز نہ ہوئی۔ اور باپ بیٹے کا رشتہ ہونا تو کجا۔ اسکے سوا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ جو انسانی ضرورتوں کا محتاج ہو۔ کھانا۔ پینا۔ سونا جاگنا۔ جینا۔ مرنا جسکے ساتھ لگا ہو۔ جو اپنی حفاظت آپ نکر سکے۔ وہ تمہارا ویسا خدا مانا جائے جو تمہارے ہی مذہب کے رو سے ان عوارض سے پاک ہو اگر ایسا مانا جائے تو کفر و شرک اسی کا تو نام ہے۔

انسان کو بچپن۔ شباب۔ پیری۔ بیماری۔ صحت ہر حال میں نئی صورت بدلنی پڑتی ہے۔ تو کیا اس سے وہ انسان بدل جاتا ہے؟ صورت یا صفات کے بدلنے سے ذات نہیں بدلتی پھر اگر خدا نے مسیح کا چہرہ لگایا تو اس سے نہ خدا دہ چہرہ ہو گیا نہ وہ چہرہ خدا ہو گیا۔ نہ اسکی ذات کی تجزی ہوئی۔ کیونکہ ذات تجزی پذیر چیز نہیں۔ اگر یہ چہرہ اسکی صفات کی صورت کہی جائے تو سارے مذہب الہی کی رو سے ایسا ہی کائنات اور کائنات کا ہرزہ ہے۔ پھر تخصیص کیا رہی۔ اگر ثلثت ہی مذہب حق ہو جسکو آپ کے خدا نے بھیجا اور جسکی اشاعت خدا کو منظور تھی تو جتنے بی غیر مسیح سے پہلے گذرے ہیں۔ ابراہیم۔ اسمعیل۔ اسحاق۔ یوسف۔ یعقوب۔ موسیٰ اور سارے بی غیر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ انہیں آپ کیا کہتے ہیں یہ رسول تھے یا نہیں۔ ان لوگوں کو مبلغ حق کیا یا نہیں۔؟ یہ ثلثت کے قابل تھے یا نہیں؟ اور ثلثت کی اشاعت کی یا نہیں؟ اگر سب کا ایمان

تخلیث پر تھا تو یہ مجال ہے۔ اس وقت تک تو حضرت یسوع مسیح پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اور اگر نہ تھا تو آپ کے نزدیک تو بغیر تخلیث کے نجات ہی نہیں ہوتی پھر ان پیغمبروں کی نجات آپ کی کتابوں سے ثابت نہیں ہوتی کسی پیغمبر نے تخلیث کا اعلان نہ کیا۔ تو یا تو آپ ان کی نجات کے منکر ہوں یا آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جب سب پیغمبروں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو ضرور کوئی ایک ہی مقصد ایسا ضرور تھا جسکے سب مدعی ہوئے۔ جس پر سب ایمان لائے اور جسکی سب نے اشاعت کی اور جسکی وجہ سے سب پیغمبر کہلائے اور وہ تخلیث نہ تھی۔

علاوہ ازیں آپ نے کسی ایک بات کو بھی ثابت نہ کیا مجرد اسکا دعویٰ کیا کہ صرف تخلیث کے مان لینے سے نجات ہو جاتی ہے تو آپ کا مذہب مجاز کرتا ہے کہ آپ نے چاہیں وہ کہیں۔ یعنی آپ کا مذہب تو ساری برائیوں کی اجازت دیتا ہے اور یہ کہتا کہ کیا خدا قادر نہیں کہ اپنا سا ایک بیٹا پیدا کرے تو کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے گناہ بغیر اسکے کہ وہ اپنے اکلوتے بچے کی جان لے لے اسے تین دن تک جہنم میں رکھے (جو دشمنوں کی جگہ ہے) اور بغیر اسکے کہ وہ اپنے بیٹے کی قربانی کر کے لاو لدی کا داغ گوارا کرے۔ معاف کرے جس سے اسکا کچھ بگڑتا بھی نہیں اگر اسنے ایسا کچھ کیا تو تمہیں اپنے بیٹے سے زیادہ پیار کیا۔ افسوس تمہارے کرو فر تو بڑے بڑے پین گرد کھلانے ہی کے ہیں کسی حیثیت سے قابل تسلیم نہیں۔

## دہریہ کی تقریر

عقل کے ہوتے مذہب کی ضرورت ہی کیا؟ وہ کون سے فیوض و برکات ہیں جو عقل سے نہیں مذہب سے حاصل ہوتے ہیں۔ عقل ہی ایسی کسوٹی ہے جس پر ہونا، نہ ہونا کرنا نکرنا کسا جائے اور اُسکے مطابق حکم لگایا جائے پھر عقل جو راہ چلائے چلو جیسا کچھ دکھائے دیکھو عقل کی روشنی جہاں بجھا دی پھر لو کرین ہیں۔ مذہب تو جہلا کے لئے ہے جس کا اصل اصول خیالی اصولات مفروضہ ہیں یہ اُن باتوں کو منواتا ہے جو عقل میں نہیں آتیں اور مانتے وہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے یا اندھے لیکر کے فقیر عقل کا منشا تو یہ ہے کہ جو دیکھو اور سمجھو اسے مانو اور اُسکا یقین کرو۔ دیکھا جاتا ہے کہ یہ عالم باہمہ انقلاب و تیزنگی یوں ہی تھا جیسا کہ ہے پھر اسکے یقین کی کوئی وجہ نہیں کہ یوں ہی نہ رہے گا۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ عالم جیسا ہے ویسا ہی ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا جس طرح زمانہ موسم بدلتا ہے اسی طرح حیات و موت بھی اسی کے تبدلات ہیں۔ پھر جو کچھ ہے یہ عالم ہی ہے۔ عقل تو یوں ہی بتاتی ہے اور عقل سے باہر راہ نہیں پھر جاتے کمان ہو؟

اسلئے میرا مذہب مذہب کا نہونا ہے اور آزادی کا مطیع ہونا اس مذہب کی

پابندی ہے۔

**طالب عقل** کے ہوتے مذہب کی ضرورت ہی کیا؟ وہ کون سے فیوض و برکات

ہیں جو عقل سے نہیں اور مذہب سے حاصل ہوتے ہیں اسکا جواب تو یہ کہ وہ اہل مذہب جو کھڑے ہیں انکے ذمہ ہے یہ دین گے۔ رہیں اور باتیں۔ یہ بالکل تشفی بخش نہیں۔ تمہارا مذہب تو ہے عقل۔ لیکن عقل کے اشارات تو پائے جاتے ہیں مگر یہ ہے کیا بلا۔؟ یعنی عقل

ایا ایک جو ہر لطیف ہے یا ایک قسم کی قوت ہے چاہے فطرتی ہو یا علم سے محصول ہو۔ تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ عقل کی حقیقت لاملوم ہے۔ اگر یہ کہو کہ انسانی دماغ ایک سادہ کاغذ کے مانند ہے۔ تجربہ پیدائش کے دن سے اس پر نقش و نگار کرنا شروع کرتا ہے رفتہ رفتہ ایک معتد بہ پوجنی علم و دانست کی جمع ہو جاتی ہے۔ پھر عقل ان ابتدائی معلومات سے بذریعہ تصفیح کے نامض اور اکات حاصل کرتی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ عقل ہے کیا۔ یا ملکہ علم ہے یا ایک قوت خاص ہے جو علم پر حکمران اور علم سے کام لینے والی ہے۔ بہر حال اس کی حقیقت کچھ ہی ہو مگر بلاشبہ اس کا رنگ تو یہ ہے جس میں ذریعہ ننگی نہیں ایسا خام کہ اپنے آپ اڑے۔ ایسا نامکمل جس کا کمال بھی کامل نہیں۔ کل جسے عقل نے اپنی غایت رسائی کے سبب کامل سمجھا آج اسے وہ آپ ناقص یا غلط بتاتی ہے پھر اس پر اعتماد کی (مجبوری کے سوا) کون سی صورت اور کون سی دلیل ہے۔ اسکی پرواز پر نگاہ کرو تو یہ کہیں دو ذریون تک جا کے ٹھہرتی ہے۔ کہیں تین چار ذریون تک اب جہاں عقل ٹھہرے کیا اوسی کو مقصد قرار دیا جائے۔ یا مقصد اوس سے آگے ہے اگر یہ کہو کہ مقصد اوس سے آگے ہے تو یہ مقصد تک رسا نہیں ہوتی اور اگر اوس کو مقصد قرار دو تو یہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور اس لئے مقصد اور حق کہیں متفق نہیں ہو سکتا عقل نے جسے کل حق سمجھا وہ آج حق نہ رہا۔ پھر جو آج ہے وہ کل رہے گا اور یا عقل کی کشتی جو مضبوط دکھائی دیتی ہے ترقی اور تنزل کے دریا کے موجوں میں پڑی ہے کبھی دائیں طرف سے پانی چڑھ آیا کبھی بائیں طرف سے۔ ایسے حال میں جب کشتی تہ و بالا ہو تیرا کہ کشتی چھوڑ دیتے ہیں۔ ورنہ جہاں کشتی ڈوبی تو اپنے جگر گوشوں کو بھی اپنے ساتھ دبا بیٹھی۔ جب عقل کی ترازو اتنی تہ و بالا ہے اور اس کا رنگ اتنا سفید اور غیر مستقل ہے تو پھر

اسکو معیار حق و باطل قرار دینا یہ بھی خطرناک ہے۔ باطل سے باطل اور حق سے حق  
ایسا کون سا گروہ ہے جس میں عقلا نہیں۔ پھر عقل حق و باطل کی معیار کمان رہی جس طرح  
یہ راہ دکھاتی ہے اسی طرح ٹھوکرین بھی کھلاتی ہے۔ مسلم الثبوت عقلا کی رائیں بھی اپنی  
اپنی دلیل کے ساتھ اکثر مخالف ہی ہوتی ہیں عقل کسی کو کُنسر و ٹیو بناتی ہے کسی کو برل  
پھر اسکے بتائے پر اعتماد کی کیا صورت ہے اگر ہو بھی تو اس اعتماد کی صحت پر کیا دلیل ہے  
عاجزہ ہے۔ نارسا ہے۔ نامکمل یہ ہے۔ ناپایدار یہ ہے۔ یہ تھکتی بھی ہے۔ یہ ٹھوکرین بھی  
کھاتی ہے۔ یہ جہالت سے بھی مغلوب ہے اور خواہشوں سے بھی۔ علاوہ ازیں عقل کی  
یونجی تو علم ہے۔ علم ہی کی زور پر یہ اپنے گم ٹے دوڑاتی ہے۔ علم جس طرح حصول معلومات  
کے لئے جو اس کا دست نگر ہے اسی طرح عقل معلومات سے کام لینے کے لئے تفکر کی  
محتاج ہے۔ اس رو سے عقل اور چیزوں میں جو نتائج میں موجود ہیں جو اس کی محتاج ہے  
اور اور چیزوں میں جو نتائج میں موجود نہیں ہیں تفکر کی محتاج ہے۔ تفکر سے جو معلومات  
حاصل ہوتے ہیں وہ اُس درجہ کے بدیہیات اور یقینیات نہیں ہیں جو اس سے حاصل  
ہوتے ہیں۔ اور جو معلومات جو اس سے حاصل ہوتے ہیں انکا یہ عالم ہے کہ دیکھنا جو  
مشاہدہ میں داخل ہے اور محتاج دلیل نہیں وہ خود غیر متیقن اور شبہ ہے کیونکہ جسے  
دیکھنا کہا جاتا ہے یا جو کچھ دیکھا جاتا ہے یہ تو اُس چیز کا عکس ہے جو ریشنا (پردہ چشم)  
کے سطح پر اولاً منقش ہوتا ہے گویا وہ چیز دیکھی گئی بلکہ اُسکا عکس دیکھا گیا اور وہ بھی  
اُٹا۔ لیکن عکس بذاتہ ہے کیا چیز اسکی بساط خود علم کے میدان سے باہر تو بھی ہے۔  
یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عکس ہے کیا بلا۔ اور دیکھا جاتا ہے ہی۔ سمجھا جاتا ہے ہی۔ پھر اس  
جملہ کی وقعت کیا رہی کہ جسے دیکھو اُسے سمجھو۔ دیکھنے کا تو یہ حال ہے کہ اپنے ہاتھ کی

لکڑی آدھی پانی میں ڈال دو اور یہ بتاؤ کہ لکڑی ٹیڑھی ہے یا تمھاری نظر۔  
 قوت لامسہ کو دیکھو۔ جو اس کا جزو علیٰ حق ہے اور سکی حقیقت اگر یہ کسی جائے کہ  
 تعلق ساخت میں خاص قسم کا اثر ہے جو خاص طور سے متاثر ہونے کے وقوف کو مشتمل  
 ہے۔ تو اس کا خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسکی حقیقت کا علم نہیں۔ نیز اسکی حقیقت کچھ ہی  
 لکڑا سکا یہ عالم ہے کہ اگر تم نے اپنے ہاتھ سے زیادہ گرم چیز کو چھوا ہے تو وہ گرم معلوم  
 ہوگی اور کم گرم کو تو سرد۔ تم کہنے لگتے ہو کہ یہ چیز گرم ہے اور یہ سرد حالانکہ نہ تم کو  
 اسکی گرمی معلوم ہوئی نہ سردی۔ معلوم صرف اسقدر ہوا کہ تمھارا ہاتھ اس سے زیادہ  
 گرم یا زیادہ سرد ہے۔ تمھیں اپنی سردی یا گرمی کی تمیز ہوئی نہ اس چیز کی۔ ابھی اپنے  
 ہاتھ کا حال بدل دو اور اس چیز کا حال بھی بدل جایگا۔ جس چیز کو تم نے چھوا ہے وہ اپنے  
 حال پر جو ساری دگرگوئی تمھارے ہاتھ کی گرمی یا سردی کی جو۔ سنے کو دیکھو۔ جن سنی سنائی  
 باتوں پر علم کی بنا قائم ہو وہ سنائی ہی نقش بر آب ہو جس طرح پانی میں کوئی چیز ڈال دو تو لٹکے  
 لہر کو تم دیکھتے ہو اسی طرح حرکت آواز کی لہر جو ہوا میں پیدا ہوئی وہ تمھارے کاؤن تک  
 پہنچی اسلئے دماغ نے جو کچھ محسوس کیا وہ ہلکا صرف تہج تھا یعنی اس تہدیل کا وقوف حاصل کیا جو  
 عصاب سماعت کی حالت میں اس حرکت یا موج سے پیدا ہوئی۔ ہوا کا موج یا حرکت  
 ویسے ہی ہو جیسے نقش بر آب ایسا ہی حال سائے جو اس کا جزو سکی دریافت یقینیات اور  
 بیسیاتیات میں شمار کیجاتی ہے جو علم کی ایسی خام بنیاد پر عقل کا قلعہ اٹھانا محض خیالی پلاؤ پکانا ہے۔ یہ تو  
 لڑکوں کی سی باتیں ہیں کہ جو دیکھا اسپر محل گئے۔ یا عورتوں کی سی کہ جو سمجھا وہی ٹھیک اور وہی حق ہے  
 جسکی تعبیر یوں کیجا سکتی ہے کہ حقیقت تو کسی چیز کی بھی نہیں پائی۔ سمجھا کچھ بھی نہیں اور اپنی سمجھ میں  
 بھگتے۔ دیوانوں کی طرح جھلے تو بڑے بٹھے ہیں۔ قلاب تو آسمان زمین کے ملاؤ جاؤ ہیں مگر مفہوم ندر اور۔

# اہل سائنس

حواسِ خمسہ جسے ادراک نہ کرے اسے ہم نہیں مانتے اسی اصول پر رفت و رقام کرنے سے عقل نے ایتھر کا سراغ بتایا اور اسی کے ساتھ ساتھ اُسکی حرکت کا بھی بلاشبہ سائنس نے انھین دونوں کے آگے سر جھکا یا ہے۔ ایتھر اور اوسکی حرکت سائنس کے یہی دو اصل اصول ہیں۔

ایتھر ایک گیس ہے جو نامتناہی غلامین بھرا ہوا ہے بعض روشن اجرام مثلاً ستارے جب اوسین اثر کرتے ہیں تو اوسین موجیں پیدا ہوتی ہیں جیسے حرکت سے ہوا میں موجیں پیدا ہوتی ہیں پھر جس طرح ہوا کی موجیں کا وزن تک پہنچ کر آواز کا پتہ دیتی ہیں اسی طرح ایتھر کی موجیں آنکھوں تک پہنچ کر مریات کا پتہ دیتی ہیں۔

قوت برقی اور قوت مقناطیسی جسکے عجائبات دنیا میں اپنے کرشمے دکھائے ہیں۔ اسی ایتھر کی لہریں ہیں۔ یہی ایتھر چاروں ناقابل وزن مادوں کو جمع کئے ہوئے ہے یعنی روشنی، حرارت، قوت برقی، اور قوت مقناطیسی۔

فلسفہ حال نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ اشیاء عالم سماوی اور عالم ارضی کی اصل دو ہی چیزیں ہیں ایک ایتھر دوسری اوسکی حرکت یہ دونوں قدیم ہیں ازلی ہیں اور ازل سے ان دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے ان دونوں کا انفصال یا انفکاک ممکن ہی نہیں مجال مادہ کی بسیط سے بسیط صورت ایتھر ہے اور اُسکی قوت اوسکے غیر منقسم اجزائی حرکت ہے یہ حرکت ایتھر میں بلا محرک خود بخود موجود ہے۔ سارے موجودات کیا ارضی کیا سماوی پہلے موجود نہ تھے اسی ایتھر اور اُسکی حرکت سے وجود میں آئے۔ جیسے علت سے معلول

سائنس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایٹھمین ذرہ اک پایا جاتا ہے نہ قصد۔  
 پھر نظم عالم یون ہو کر اجزائے ایٹھ کے خاص قسم کے کیفیات پر مجتمع ہو جائیسے  
 چھوٹے چھوٹے ذرون کا وجود ہوا۔ قانون کشش انکے اجتماع کا باعث ہوا جس سے  
 اک کرہ بن گیا اور وہ اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگا۔ پھر دو قانون قدرت کے  
 موافق روشن ہو گیا یون آفتاب کا وجود ہوا اور اسکی گردش سے باقی ستارے اوس  
 سے جدا ہونے لگے اور کرے بن کر اپنے محور و گردش کرنے لگے۔ منجملہ انکے  
 یہ زمین بھی ہے۔ جب زمین اک مدت مدید تک گردش کرتی رہی تو اسکی سطح ظاہری  
 سرد ہونے لگی اور مختلف طبقات بنتے گئے۔

علم طبقات الارض سے ثابت ہے کہ حیوانات اور نباتات پہلے نہ تھے۔ زمین  
 کے مختلف طبقات کے دریافت سے جہاں تک رسائی ہوئی ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے  
 کہ زمین پر ایسا زمانہ گذرا ہے جب اسپر کوئی جاندار اجسام موجود نہ تھے۔ پھر کیمیادی  
 عملوں کے مشاہدات سے یہ دریافت ہوتا ہے کہ عناصر ایٹھ کی حرکت اور اسکے اجزائے  
 اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں جو شمار میں ساٹھ سے بھی زیادہ ہیں اور انھیں عناصر کی ترکیب  
 سے معدنیات اور اجسام جاندار وجود میں آئے پہلی چیز جس سے یہ بنے ایک مادہ مثل  
 زلال کے تھا۔ اسکی ترکیب میں چند عناصر شامل ہوئے اوس میں غذا حاصل کرنے  
 منقسم ہونے اور تولید و تناسل کی قوت پائی جاتی ہے۔ اسی مادہ کی تقسیم سے اعضا  
 کی بناوٹ ہوئی اسی کے مجتمع ہو جانے سے نباتات و حیوانات ابتدائی حالت میں  
 پیدا ہوئے حیات انھیں عناصر کے فعل و انفعال اور انکے کیمیادی امتزاج کے  
 ظہور کا نام ہے یہ کوئی مستقل شے نہیں ہے یہی روح ہے۔

عقل و ادراک انسانی بھی ایٹھ اور اسکے اجزائے متحرک اور عناصر متمیزہ کی تاثیر و تاثر سے جو افعال پیدا ہوتے ہیں اسکے ایک خاص فعل کا نام ہے یہ بھی کوئی علیحدہ شے نہیں ہے۔ اگرچہ ایٹھ اور اسکی حرکت دونوں عقل و ادراک سے خالی ہیں۔ اسی طرح حیوانی اور انسانی عقل میں محض کیست و مقدار کا فرق ہے۔ ماہیت دونوں کی ایک ہی ہے۔

پھر وہ حیوانات و نباتات جو ابتدائی حالت میں تھے تو والد و تناسل کی وجہ سے اور جو قوت ان میں تھی اسکی وجہ سے بڑھتے اور ترقی کرتے رہے۔

پہلا قانون تباہی افراد ہے۔ افراد کا باہم ایک دوسرے سے مباحث ہونا۔ کوئی فرد تمام اپنے اصل سے مشابہ نہیں ہو سکتی اس سے نرا اور مادہ ہوئے۔

دوسرا قانون فروع میں اصول کی خصوصیتوں کا منتقل ہونا ہے۔ اس انتقال کی کمی بیشی سے قوی یا ضعیف تو انا یا کمزور پیدا ہوئے۔

تیسرا قانون تمناع بقا ہے۔ ایک کی بقا کو دوسرا ٹپ کرنا چاہتا ہے جس سے کمزور یا نابود ہوئے اور الے نابود ہو جاتے ہیں۔

چوتھا قانون فطری انتخاب ہے فطرت بہترین شے کو منتخب کر کے حفاظت کرتی ہے لاکھوں برس کے گزرنے پر ایٹھ کی حرکت اضطراری اور فطرت کے ان چاروں قوانین کے موافق رفتار اختیار کرنے سے نباتات و حیوانات موجودہ ترقی کی حالت تک پہنچ گئے ہیں۔

منجملہ ان کے انسان بھی ہے۔ چونکہ یہ بندر کے ساتھ نہایت مشابہت رکھتا ہے اسلئے قرین قیاس ہے کہ ان دونوں کی اصل ایک ہی ہو۔ انسان ترقی کر گیا اور

اس طرح بندر سے بڑھ گیا۔ کیونکہ انسان تمام حیوانی انواع کے اعتبار سے بالکل پیدا  
یہی حقیقت انسان اور سائے عالم کی ہے جو اردو سے سانس ثابت ہوتی ہے  
جو کچھ ہے وہ اتھرا اور اسکی حرکت ہے پھر عقل جو اسکی فرع ہے وہ مجبور ہے کہ اپنے  
اصل کے آگے سر جھکائے یہی سانس اور اسکی یافت ہے جسے سانس مذہب کے  
شیرانے ڈھیلے کر دیئے ہیں۔ اور ساری مذہبی اور خیالی روشنیوں کو بچھا دیا ہے۔

### طالب

سانس کے غلط سے میرے کان بھی برے ہو گئے تھے اور اسلئے آپکی تقریروں کو مینے ہوش  
گوش سے اور عقیدہ تمدانہ سنا۔ اسکے غلط کے سبب سے میری عقل بھی بہانہ ڈھونڈھتی تھی کہ  
کسی طرح اسی کو تسلیم کروں مگر افسوس ہو کہ سانس کا یہ سبب بلوغ حواس خمسہ کے تعلق پر مزین  
پر ہو پیمان اور شائین تو سر نیز اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں مگر مزین کی ریت کی گرمی کے سبب سے  
نزدک کو ٹھنڈک ہو نہ جگر کو۔ درخت بھی دیکھتے ہی کے ہن جن میں نہ پھول ہیں نہ پھل۔

حواس خمسہ جسے اور اک نہ کرے او سے تو آپ مانتے نہیں حالانکہ یہ بالکل اوس کے  
خلاف ہے جسپر کار و بار عالم وابستہ ہے۔ اس خیال میں آپ اور حضرات دہریہ بالکل  
مطابق ہیں۔ اور دہریوں کے خیالات کی چھان بنان میں اسکا ناقابل تشفی اور ناقابل  
عملدر آمد ہونا اور اسکی ساری غلطیاں میں ظاہر کر چکا ہوں۔ رہی آپکی یافت اور آپکا  
نظم عالم تو اسے سنئے۔ اتھرتک تو آپ حضرات نے رسائی حاصل کی آگے کوئی سلسلہ  
نہ ملا تو اسے غیر محدود اور قدیم کہہ دیا مگر غیر محدود یا قدیم ہونا آپ نے صرف مان لیا ہے  
آپ کے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ غیر محدود یا قدیم ہونے کا خیال حواس  
خمسہ و ماغ میں اٹا کیونکر سکتے ہیں۔ کس حواس کے ذریعے سے۔

دوسرے حرکت بے محرک ہوتی غلات عقل ہے یا قرین عقل کس عقل سے جو اس شخص نے اسے اور اک کر لیا کہ حرکت پائی جائے اور محرک ہو۔

ایتھرین عقل وادراک۔ اختیار ارادہ نبو اور جوش نہیں ہے یہ مسلم ہے۔ اور موجودات میں ہے یہ برہمی ہے۔ پھر ان صفات کا ایتھر سے وجود میں آنا تو انگور کی ساخون سے مٹیوں کا ٹپکنا یا آگ اور پتھر کے ٹٹنے سے آدمی کا پیدا ہونا ہی یہ صفات بالفعل یا بالقوہ ایتھر میں نہیں ہیں تو ایتھر سے بھی نہیں ہیں۔

اسی طرح قانون قدرت اور قانون کشش بھی ہیں۔ انکی اصل کا بھی پتہ نہ لگا سانس دہ یہ صفات ایتھر میں تسلیم کرنا نہ انکا کوئی معقول سراغ بتاتا ہے۔ سانس نے ہند تو تو نکلو اور یافت کیا اور ان سے کام لیا ہے مگر حقیقت رسی میں سر اسر عاجز ہے پھر ایسے عاجز کے آگے سر جھکانا عقل ہمت اور غیرت کا کام نہیں۔

# مسلمان کی تقریر

ہم مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
 وَالْفُرْقَانُ كَلَامُ اللَّهِ۔ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا و شہیدنا  
 محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور قرآن مجید  
 خدا کا کلام ہے۔ یہ تو ہمارا عقیدہ ہے اس لئے ہمیں تین چیزیں ثابت کرنی ہوں۔  
 (۱) خدا اور اسکی وحدانیت (۲) رسول اور رسول کی صداقت (۳) قرآن اور  
 اسکی حقانیت لیکن قبل اسکے کہ میں شروع کروں عقل کی طاقت پر واژو بکھا چاہتا ہوں  
 کہ کہہ کہان تک ہم کو بے نیاز کر سکتی اور ہمارے لئے سنہارا ہو سکتی ہے۔ اور یہ جملہ  
 کہان تک صحیح ہو سکتا ہے کہ عقل کے ہوتے مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔  
 اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کر دینا لازم ہے کہ مذہب ہے کیا چیز اور کس حد تک  
 اس کی رسائی ہے۔ اور وہ کون سے فیوض و برکات ہیں جو عقل سے نہیں مذہب ہی  
 سے حاصل ہوتے ہیں۔

عقل اگر نام ہے کسی ایک قوت کا۔ تو قوت اسی کو کہتے ہیں جسکی حقیقت معلوم نہ ہو۔  
 اسلئے کسی چیز کو یہ کہنا کہ یہ قوت ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اسکی حقیقت معلوم نہیں۔ اگر یہ کہو کہ یہ  
 ملکہ علم ہے تو یہ دریافت حقیقت میں سرسرا عجز ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے عقل  
 بذریعہ حواس اور بذریعہ فکر کے چند تک بند بیان کر لیتی ہے۔ چند علل و اسباب ظہر لیتی ہے جو  
 یا چند قوتوں کی قوت معلوم کر لیتی ہے اور پس۔ عملی دنیا میں۔ ہر چند قوتوں کی  
 دریافت اور ان کی عجیب غریب طاقت بڑے بڑے نتائج پیدا بھی کرے مگر اس سے یہ ثابت

نہیں ہوتا کہ عقل کسی چیز کی حقیقت کو بھی پاگئی۔ کسی قوت کو اگرچہ وہ اس سے کام بھی لے  
یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ ہے کیا۔ عقل اپنے دائرے میں کوشش دیکھاتی اور اس میں جدت  
کرتی رہتی ہے مگر اپنے حد سے باہر سرسراہٹے عجز اور جمالت کا اقرار کرتی ہے۔ اور  
یہ عقل کی صحت رفتار کی دلیل ہے پھر یہ عقل اپنی محدود قوت، کمزور طاقت پر بستہ پرواز  
اور پابستہ رفتار کے ساتھ کسی طرح خدا و ارباب الوجود اور حقیقت الحقائق  
سے بے نیاز اور بے پرواہ نہیں کر سکتی۔

آسمان ہے کیا اسے تو پہننے دو کہ حد نظر ہے یا اسکی یافت تمہاری دریافت سے  
یا ہر ہے ایک فضا ہے بسط ہے یا کرو و رن مخلوق کا ممکن حکمتوں سے خالی ہے یا  
حکمتوں سے بھر پڑا ہے۔ شیشہ کی سی کوئی لطیف چیز ہے یا شیشہ سے بھی لطیف تر۔  
جس میں نہ آنکھوں کی نظر سمائے نہ دوہرین کی طاقت جیسے پانی میں نہ نظر کی رفتار صحیح رہتی جو  
نہ دوہرین کی طاقت کچھ کام کرتی جو۔

اسکا فیصلہ تو پیچھے ہے پہلے یہ بتاؤ کہ زمین کیا بلا ہے اجزائے ارضی کیا چیز ہیں۔ جو قوتیں  
زمین کے اندر مضوم ہیں وہ اپنی حقیقت کیا بتاتی ہیں۔ اجزے تو اُسٹھے حرارت سے جو شیشہ بڑھ کر  
بر سے۔ مگر حرارت کیا چیز ہے۔ ظاہر میں زمین بیجان اور بھاری لاش کی طرح پڑھی ہوئی  
ہے۔ مگر اسکی زور آؤر کشش اور اسکی حرارت جگر کیا ہے۔ اسکے اجزائی یہ چگونی کہاں  
چھپی جو۔ کہیسی اجزا چول میں ہیں پھل میں ہیں ذرتوں میں ہیں انکے شاخ و برگ میں ہیں۔ دریا کی  
لہر و نمین ہیں تو ہوا کی موجوں میں ہیں ہم میں ہیں تم میں ہیں اور سارے اجسام میں ہیں۔ مگر یہ  
سارے کچھ ایسا طلسم ہے کہ عقل کے کھولے (ہزار وہ سرمایے بھی تو) نہیں کھلنے کا۔

اور کو کیوں دیکھو۔ دماغ کی ساری قوتیں مثلاً حافظہ و ہم و فہم پھر ذریعہ کی

کسی ایک طرف چلانے والی۔ ساسکی روکنے والی اور ایک طرف سے دوسری طرف متوجہ کر نیوالی قوت۔ قوت غم (ول پائزر) اور قوت نمونہ بلکہ تمہاری ساری قوتیں جو خود تم میں ہیں کیا ہیں؟ ایک قوت کا لفظ کمیدنا تو آسان ہے مگر ان کے حقائق کا ماحصل کی جان توڑ کوششوں پر بھی تو جاہل نہیں ہونیکا۔

اگر یہ ساری قوتیں دماغ کے کرشمے ہیں تو دماغ کونسی چیز یا سے اگر یہ بھی کوئی قوت ہے تو اسے سمجھنی لا معلوم حالت میں چھوڑو۔ اور اگر دماغ کو یہی چند تو لگا۔ تڑکھو تو مرنے کی حالت میں دماغ تو ہے مگر مرک کیوں نہیں ہے۔ ساری تاثیریں اگر خون میں ہیں تو مردوں میں خون پہونچا کر دیکھو۔ اگر اس ترکیب اور اس ہیئت، اتمائی سے یہ قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں تو نیند میں سارا ترکب تو موجود ہے مگر تیز ترکیب ندادو۔ اگر یہ سارا افسون روح کا ہے تو روح کونسی افسون گر چیز ہے۔ حیات یہ کون سی بہار ہے اور موت یہ کون سی خزان ہے کہ جب تک حیات تھی عقل کے دعوے تھے۔ چکنی چٹری باتیں تمہیں نئے نئے دلوے تھے۔ اونچی سی اونچی پرواز تھی۔ ابھی موت کا آنا یہ کیا ہو گا ایک سانس کی دیر۔ آگے بھٹکے کا وقفہ۔ کہ ایک زندہ کتے اور ایک زندہ چوہے سے بدتر چیونٹیوں اور کچھوں کی خوراک ساری عقل کی روشنی دھندگی میں جا پڑی عقل کی قوت اور قدرت تو میں جب جانوں اور اسکی غلامی کا طوق میں جب گلے میں ڈالوں کہ یہ ایک چیونٹی ہی کم سے کم پیدا کر دے اس میں رگ وریشے بنائے اس میں خون دوڑائے اور او میں جان ڈالے۔ جب یہ سراہر عاجز ہے پھر ایسے عاجز کا سہارا کیا جب عقل خود تمہیں کیا کائنات کا ایک ذرہ نہیں اتول سکتی پھر اسی سے خدا اور خدا کی خدائی کے تو لنے کا حوصلہ کس برتے پر ہے عقل کی غایت معراج ہی ہے کہ سمجھ کے چند صحیح نینے طے کرے اور بس۔

کیا ریل، سار برقی، یا برقی قوت، یا علیٰ ہذا ایسی ہلکا چیزوں کی دریافت نے تمہیں ان قوتوں کے پیدا کرنے والے سے بے نیاز کر دیا ہے؟ کیا اگلی ایجاد دریا کے لئے کشتی، اندھیرے کے لئے چراغ، حفاظت جسم کے لئے کپڑے، مرض کے لئے ہزاروں دوائیوں، لکھنا پڑھنا، اوسکے لئے دوات و قلم و کاغذ، ہند، اقلیدس، جبرئیل وغیرہ کچھ تھوڑے ہیں۔ کہانٹک انکی فرست مرتب کی جاتے ہیں۔ اور ذرہ کا بھی ہاٹھ ہے اور ایجاد پر قطعہ اوٹھانا اور اسکا اضافہ آسان اور لازمی ہے۔ سائے موجد اون قوتوں کے آلے لیکر اون قوتوں کے بنانے والے سے لڑنے کو کھٹے ہوئے بلکہ اون قوتوں کے ذریعہ سے آنکے بنانے والے تک قرب و رسائی حاصل کی۔

عقل آج تک ایک چیز کی بھی پیدائش سے عالم میں کچھ اضافہ کر سکی۔ ایک چیز بنا کر عالم میں کی کر سکی۔ یہ توفیق اس دنیا کا سنگا رہے جس سے اس دنیا کی آرائش اور زیبائش ہے۔

اور مذہب نام ہے خیال و اعمال کی طہارت۔ قوی اور قدرتوں کے استعمال کی صحت عقل کی صفا اور روح کی پالی کے ساتھ ہر چیز میں اوسکی حقیقت کی یافت حاصل کرنے اور حقیقت الحقائق تک رسا ہونکی راہ کا۔ یہ تو مذہب کا اعلیٰ اور انتہائی مقام ہے۔ لیکن اسکے ابتدائی مقامات کو بھی مذہب ہی کہنا چاہیے۔ وہ ہرگز مذہب سے باہر نہیں۔ غرض مذہب روحانی دنیا ہے۔ اور علم سمائی اور خیالی یعنی عقلی دنیا۔ اگر صحیح طور پر غور کیا جائے تو عالم میں یا ہم میں دو طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ جن کو ہم سمجھتے ہیں اور دوسری وہ جن کو ہم سمجھتے نہیں مگر پاسے ہیں جس طرح سمجھ میں آئیوالی چیزوں کے سمجھنے کے لئے عقل ہے اور ذریعہ جو اس دنگ اور اسی طرح سمجھ میں آئیوالی

پیزون کے ادراک کے لئے روح ہے۔ اور ذریعہ جوش و جذبات عقل و روح یہ دو چیزیں انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ایک سمجھ کے لئے دوسری ادراک کے لئے اور دونوں کیلئے دو طرح کے آلے بھی بن گئے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی قدر سمجھ کی وسعت میں آتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو سمجھ کی وسعت میں نہیں آتا۔ لکڑیوں کے کاٹنے کو دوسرے آلے درکار ہوتے ہیں۔ اور کوہ کنی کے لئے دوسرے۔ ایک ہی ہتھیار سے تمام کام نہیں چلتے جب دو چیزیں دو طرح کی انسان کو عطا ہوئیں۔ اور انکے لئے دو طرح کے آلے بھی ملے تو اس سے یہ سمجھنا لازم ہے کہ عطا کرنے والے کی مرضی یہ ہے کہ دونوں سے کام لو اور دونوں مدتوں کو انجام دو۔ اس سے یہ سمجھو کہ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ جو اس نمونہ کا جال بچھائے اسے فکر کی بندشوں سے مضبوط کرے اور جسمانی اور دنیاوی مقاصد کے پرندہ شکار کرے اور راحت و آرام کی ضرورتوں سے فراغ البال ہو۔ اور روح کا کام یہ ہو کہ وہ جذبات کی کند پھینگیں محبت و جوش کے زور وں چڑھے مطلوب تک رسا ہو۔ اور گویا یافت سے اپنے دامن بھرے۔

عقل کسی شے کے وجود کو ظہور علی سمجھ کر اور ان علتوں کے نام و مباح بتا کر رک جاتی ہے اور اس رکاوٹ کو انتہا سمجھ کر مدعی ہو بیٹھتی ہے کہ میں نے سمجھ لیا یہی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اور مذہب عقل کی حقیقت کو بھی معلول ہی سمجھ کر اور عقل کی رفتار عاجز دیکھ کر روحانی رفتار سے لگے بڑھتا اور حقیقت کو پالیتا ہے۔ یہ فیوض و برکات وہ ہیں جو عقل سے نہیں مذہب ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

عقل دیکھتی ہے کہ کیوں ہے اور مذہب دیکھتا ہے کہ کیا ہے۔ ہو کیوں چلی۔ یہ عقل کا حصہ ہے اور ہوا ہے کیا چیز یہ مذہب کا حصہ ہے وہ طالب سبب ہے اور یہ طالب حقیقت اسلئے وہ سمجھتی ہے

اور یہ یافت حاصل کرتا ہے کچھ چند علتوں کی دریا فیکے بعد اپنا عجز اور اپنی جہالت کے علم ہونے کا نام ہے۔  
حقیقت رسی میں سمجھدار اور بڑے کھجور دونوں کو نیشن اور یافت ان علتوں کی حقیقت تک پہنچنے کا نام ہے جو مقصود  
آس لئے اس راہ میں دونوں پاؤں قوی اور دونوں بازو پر زور ہونے چاہئیں جہالت تک  
عقل رسا ہو اُس سے کام لو اور جہان یہ عاجز آجائے وہاں روحانی طاقت روحانی رفتا  
اور روحانی جذبات سے کام لو مقصد نزدیک سے نزدیک ہو مگر چلنا ضروری دلازمی ہے  
اب یہ سوال کہ عقل کے ہوتے مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کم عقلی سے پیدا ہوا ہے کہ دیگر جہان عقل  
نہیں ہاں ضرورت کا نام بھی نہیں۔ اور جہان عقل ہے وہیں مذہب کی ضرورت بھی تاکہ کوئی اپنی عقل  
کی رسائی تک پہنچ کر رہ جائے اور غلطی نہ کرے۔ اور روح وہاں سے بقوت مذہبی رسا ہو وہ  
بیچ دھاسے میں اگر رہ گیا تو ہلاکی کے سوا چارہ نہیں اسی میں بہترے ہلاک ہوئے۔

ہاں یہ کہنا کہ جب کسی شے کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے تو اُسے پانا ہی کیا ضرور ہے تو یہ غلط ہے  
جو ضرورت حق کو حق سمجھنے کی ہے وہی ضرورت ہر چیز کی حقیقت پانے کی بھی ہے جو فطرت جو یا نہیں  
اُسے تلاش تجسس کے لئے ہزار کو وہ نہیں کرتی اور جو فطرت جو یا ہے وہ تلاش تجسس سے ملتا  
نہیں رہنے کی۔ اسلئے مذہب کی ضرورت ہے جو فطرت جو یا نہیں جو وہ تقلید ابھی کسی رہو  
کے پیچھے ہولے گی تو مقصد پالے گی۔ اور جو فطرت جو یا ہے اسے مذہب کی صراط مستقیم پر  
چلنے کے سوا چارہ نہیں خشکی میں ریل کی ضرورت ہے۔ اور سمندر میں جہاز کی یعنی ایک حد تک  
عقل درکار ہے پھر مذہب۔ یہی ضرورت مذہب کی ہے جو فطرت پائی جاتی ہے چاہے فطرت  
اولیٰ ہو چاہے فطرت ثانیہ۔ مذہب کی ضرورت تو ثابت ہوئی، لیکن از رو مذہب جو نسبتیں  
خدا کی طرف ہونی چاہئیں وہ فی زمانہ نیچر کی طرف کی گجاتی ہیں۔ اسلئے اسی سلسلہ کلام  
میں آغاز توحید کے قبل نیچر کی نسبت بھی کچھ بیان کر دینا ضرور ہے۔

## نیچر

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے جو مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے مگر ایسے موقع پر جو بولا جاتا ہے اس کے معنی یا تو خدا کے خلاق عالم کے ہوتے ہیں تو اس صورت میں تجویز نکلتا ہے کہ جس طرح خدا کو ہندو بھگوان، عیسائی گوڈ، اور مسلمان اللہ کہتے ہیں جو نام ہر کے مذہب میں ہے۔ فی زمانہ تاجدت پسندی نے یہاں تک ترقی کر خدا کا نام بھی جدید طرز پر رکھا گیا یا حقیقت جامعہ کا نام نیچر رکھا گیا ہے۔ حقیقت جامعہ سے مراد وہ حقیقت ہے جو سب سے پہلے ظہور پذیر ہوئی۔ اور ساری حقیقتیں اسی حقیقت کے سرچشمے ہیں۔ آگے کے سچے تنگی کی تو اسی حقیقت جامعہ کو نیچر یا خدا کہنے لگ گئے۔ کاش یہ دو ایک نیچر اور چڑھ جائیں اور نیچر پر بھی وہی نگاہ ڈالیں جو اور چیزوں پر ڈالی تھی تو یقیناً بول اٹھیں گے کہ بیشک یہ بھی مخلوق ہے اور اس میں بھی مخلوق ہی کے سے صفات پائے جاتے ہیں۔

یا نیچر کے معنی کائنات اور من حیث الکل عالم کے ہیں جو نیچر کے یہ معنی لیتے ہیں وہ نیچر کو باہر انقلاب قدیم مانتے ہیں کہ نیچر کو کسی نے بنایا نہیں۔ یون ہی تھا۔ یون ہی ہے اور یون ہی رہے گا۔ جیسا کہ دہریوں کا خیال ہے۔ مگر بے بنائے بنا۔ یہ تو عالم کے کسی جزو میں نہیں پایا جاتا ہے جس کا ہر جزو بنانے سے بنا ہو وہ کل بے بنائے کس اصول پر بن سکتا ہے۔ جسکے اجزا متغیر ہوں وہ کل متغیر ہے۔ اور جو ہر آن متغیر ہو وہ کس عقل سے قدیم ہو سکتا ہے کسی کے ہر عضو بدن میں برص یا چپک کے داغ ہوں تو اس کو اس دعوے کا حق نہیں ہو چکا کہ ہم بے داغ اور دھبہ سے پاک ہیں۔ بے بنائے بنا۔ یا قدیم ہونا ان دونوں مفہوم کا پتہ عالم کے کسی چیز سے نہیں چلتا۔ یہ مذہب سے چرایا ہوا خیال و مفہوم ہے

جو الٰہی جواب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ الٰہی جواب کبھی مسکت ہو سکتا ہے مگر نہ موصل الی المطلوب ہوتا ہے اور دشمنی بخش جو لوگ اس عالم کو نیچر اور قدیم مانتے ہیں انھیں بہ مجبوری نیچر کو مجبور محض ماننا پڑیگا۔ انسان تو چند اسباب مجتمع کر کے ایک تیسری چیز بنا سکتا ہے۔ مگر نیچر ان تغیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے اور ایک چیز بھی بنا نہیں سکتا۔ کیونکہ عالم میں جو کچھ ہے وہ نیچر کا جزو ہے اور اپنا جزو کوئی آپنہ بنا سکتا۔ اس خیال والوں کا یہ کہنا کہ نیچر نے یون کیا اور نیچر نے دن کیا الفاظ بے معنی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نیچر یون ہے۔ ہونا اور ہے اور کرنا اور ہے۔ ایسی صورت میں خلاف نیچر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خلاف و موافق سب جزو نیچر بلکہ عین نیچر مانا گیا ہے اور اگر نیچر کے معنی افعال قدرت کے ہیں تو نیچر مخلوق قدرت ہو اس صورت میں نیچر خدائے قادر و قیوم کی صفت قدرت کا ظہور مانا گیا اسکے تسلیم میں مذہب کے کوئی خدا نہیں۔ اب میں یہ بھی دکھایا چاہتا ہوں کہ سائنس بھی کہاں تک ہم کو خدا اور مذہب سے بے نیاز کر سکتا ہے۔

# سائنس

یہ وہ سائنس ہے جسے ساری دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے کہ سائنس مذہب اور اسلام پر حملہ آور ہے۔ اور جسے سائے مذاہب کے شیرانے ڈھیلے کر دیے ہیں۔ مگر غور کی نگاہ ڈالو تو سائنس تمام تر موید مذہب نظر آئے گا۔ اختلاف وہیں پر نظر آئے گا جہاں خود سائنس کا شیرازہ ڈھیلا ہوگا۔

سائنس علتوں کو دیکھتا بھانپتا ایتھر اور سبکی حرکت تک پہنچ کر رک گیا اگر تھوڑا اور رسا ہوتا تو پالیتا کہ یہ بھی کسی علت کا معلول ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ ایتھر اور سبکی حرکت ہی تھی اور کوئی وجود نہ تھا تو دونوں قدیم اور لازم ملزوم تھے پھر ایتھر ازل سے بیوجنوں اور بیوہودہ حرکت کرتا رہا۔ پھر اتفاقاً ایک استعداد اوس میں پیدا ہوئی۔ پھر اتفاقاً قانون کشش آمو جو ہوا۔ پھر اتفاقاً اسکے اجزائے جٹ گئے۔ پھر اتفاقاً قانون قدرت تیار ہو گیا۔ پھر اتفاقاً اجزائے ایتھر جٹ جٹا کر روشن ہو گئے۔ یوں آفتاب بنا۔ پھر اتفاقاً اسکے ذرے اوڑے اور ستارے بنے۔ پھر اتفاقاً سب اپنے اپنے محور پر گھومنے لگے۔ پھر اتفاقاً ان سب کے قواعد بنے۔ پھر اتفاقاً ایک ذرہ اوڑا اور زمین بن گئی۔ پھر اتفاقاً ایتھر کا ایک زلالی مادہ تیار ہو گیا۔ پھر اتفاقاً اوس میں تو الود و تناسل کی اور اور مختلف قوتیں پیدا ہو گئیں۔ پھر اتفاقاً عناصر بن گئے۔ پھر اتفاقاً ان میں نامیتین بھی پیدا ہو گئیں۔ پھر اتفاقاً اجزائے عالم میں نامیتین منقسم ہو گئیں۔ پھر اتفاقاً بندر پیدا ہوئے۔ پھر اتفاقاً اوسی اصل سے سب سے آفری مخلوق انسان بنا۔ پھر اتفاقاً اوس میں عقل بھی آگئی۔ پھر اتفاقاً اوس میں قدرت

اختیار نموجوش تیز اور ارادہ وہ سائے صفات آگے جو ایتھر میں بھی نہ تھے۔  
اتنے اتفاقات تو مائین جائین اور سمجھ میں آئین اور اتفاقاً سمجھ پر تھوڑے پڑ جائین کہ ایک  
قادری قوم خدا نہ مانا جائے۔

اے لوگو! کوئی کام بے علت نہیں ہوتا اتفاقات کے معنی یہ ہیں کہ علت سمجھ میں  
نہ آئے۔ پھر صاف یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ سائنس نے بلاشبہ قوت برقی اور قوت  
مقتناطیسی کو تو پایا ہے جس سے ایجاد میں بہت کچھ اضافہ ہوا مگر کسی چیز کی حقیقت  
کو نہیں سمجھا علت اور چیز ہے اور حقیقت اور جہان علت بھی سمجھ میں نہ آئی امتداد زمانہ  
کو فرض کر لیا۔ اگر یہی سائنس ہے تو یہ کس طرح مذہب پر حملہ آور ہو کر قومی بنا پر۔ ۹  
اے اہل سائنس حقیقت میں اگر موجودات کی علت ایتھر اور اسکی حرکت ہے تو یہ مسلم  
ہے کہ علت اور معلول میں مخالفت نہیں ہو سکتی۔ علت قدیم تو معلول بھی قدیم علت حادث  
تو معلول بھی حادث۔ ورنہ کیونکر ممکن ہے کہ علت ہو اور معلول نہ ہو یا معلول ہو اور  
علت نہ ہو۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلئے ایتھر مع اپنی حرکت کے قدیم ہے تو  
معلول یعنی موجودات کا بھی قدیم ہونا لازم ہے۔ اور علم طبقات الارض سے یہ آپکے  
یہاں ثابت ہو چکا ہے کہ حیوانات اور نباتات بلکہ ساری کائنات کا وجود بعد کو ہوا جو  
یہ تو سائنس کا بھی سلسلہ ہے کہ ایتھر سے اول آفتاب بنا اور آخر انسان اس لئے  
موجودات تو حادث ہیں پھر یہ ایتھر اور اسکی حرکت جس سے تمام موجودات بنے اور  
سائے قوانین قدرت جو اتفاقاً اضطراراً عملے اور جبراً ضرورت بنے اور ایتھر کی  
کار گزار یون میں شریک ہونے کیونکر قدیم تسلیم ہوں۔

اگر صرف ایتھر قدیم تسلیم کیا جائے تو کیوں وہ اک ازلی اور لاتناہی زمانہ سے

بے و برمیض لغویہ کا ربا اور ہر شفاء حرکت کرتا رہا۔ اگر ان میں استعداد اجائی ضرورت تھی تو یہ استعداد فوراً ہی کیوں نہ آگئی۔ مزاحم کو نسی چیز تھی۔ در اٹھا لیا کلت اپنے معلول کی مقتضی بھی تھی تو پھر وہ کو نسی قوت تھی جسے اس استعداد کو آنے اور اس اضطراب نہ مگر عاقلانہ اور حکیمانہ پیدائش سے روکا اور پھر یہ استعداد آئی کہاں سے کس قوت کی اجازت ہے۔؟

تو ان میں قدرت۔ قانون کشش استعداد۔ قوت تو والد و تناسل روح اور عقل نحو اور ارادہ اختیار اور برچر جوش و جذبات جب اتھر میں نہیں تھے نہ بالفعل نہ بالقوہ جو مسلم ہے تو اتھر سے بھی نہیں ہیں۔ پھر یہ صفات آئے کہاں سے؟ سائنس کے چاروں قوانین میں سے قانون قدرت کا تیسرا قانون تنازع بقا یعنی ایک دوسرے کے بقا کو کھائے جاتا ہے جس سے نابود ہو جانے والے نابود ہو جاتے ہیں۔ اس قانون کا خود اتھر کیوں پابند نہیں۔ وہ کیوں نہیں سائے موجودات کے بقا کو ہرپ کر جاتا ہے۔؟

علیٰ نذاد و سراقانون۔ فروع میں اصل کی خصوصیتوں کا منتقل ہونا اتھر کی اصلی صفت یعنی غیر محدود و قدیم ہونا کنزکا و ٹون اور کن موانع سے اس کی کسی فرع میں منتقل نہ ہوئی۔؟

اتھر جب ان صورتوں سے جو اسکے اجزائے اختیار کی ہیں خالی اور بسیط صورت میں تھا جب بھی اسکے لئے صورت اور جگہ درکار تھی بے صورت تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بے صورت کا وجود تو یہ جو اس پابہی نہیں سکتے۔ پھر جو صورت اس اتھر کی فرض کی جائے گی چاہے وہ بسیط تر ہی صورت کیوں ہو مگر جب اس نے

بہتری صورتیں اختیار کیں اور یہ شاہد ہے کہ وہ زائل ہوتی گئیں اور ہر آن زائل ہو رہی ہیں تو ضرور اسکی صورت بدلی۔ اور اُس پہلی صورت میں تغیر آیا۔ پھر حادث کے کتبہ میں یہی تو معنی حدوث کے ہیں۔ ۹۔ جسے سائنس خود تسلیم کرتا ہے۔

جب لہتھر اور اسکی حرکت کا حدوث ثابت ہو چکا تو سائنس یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ کوئی فعل بے قائل ہو۔ اسکے تسلیم کے بعد بھی سائنس کی رفتار ایتھر سے آگے چلنے سے مستعفی ہوئی اور آجھی راہ میں رہ گئی اچھی سس کی رفتار باقی ہے۔ مگر سائنس اسکی تشفی کر دینے سے عاجز ہے۔ پھر نظم عالم جو اُسے قرار دیا ہے جس میں معلول بے علت محض اتفاقاً تسلیم ہوئے ہیں اوپر وثوق کی کیا صورت ہے؟

پھر ایتھر کی سی ہتم بالشان چیز کے بنانے والے میں کیا کیا صفات ضروری اور لازمی ہونی چاہئیں عقل کا اقتضایہ ہے کہ قدرت و اختیارِ علم اور ارادہ بلکہ وہ سائے صفات جو ایقہ اور اسکی فروع یعنی موجودات میں پائے جائیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور بسیط سے بسیط کیفیت کے ساتھ اوس میں ہوں۔ پھر ایسا پیدا کرنے والا اگر ایک نہو کی ہوں تو پیدا کرنے میں موافقت ہوگی یا مخالفت ہوگی یا مشارکت ہوگی۔ اگر موافقت مانی جائے اور ایسی کہ اُس میں دوئی کو مدخل نہو تو تعدد نہ رہا و وحدانیت ثابت ہوئی۔ اگر تعدد اور مخالفت تسلیم کی جائے تو یہ نہیں ہو سکتا اس صورت میں تو نظم عالم ہی درہم برہم ہو جاتا۔ ایک بنانا ایک بگاڑنا اور اسنے عالم کا یہ رنگ ہی نہ ہوتا۔ اور اگر مشارکت تسلیم کی جائے تو ایک دوسرے کا محتاج ہو جائیگا۔ اور یہ دلیل غمز ہوگی اور عقل پہلے ہی قدرت اوس میں تسلیم کر چکی ہے اور پھر اگر وہ عاجز مانا بھی جائے تو عاجز سے قدرت کا ظہور جو عالم میں پایا جاتا ہے خلاف عقل ہے۔

اس صاف ظاہر ہے کہ سائنس ملتون کو دھونڈتا ہے۔ اور مذہب متعلق کو۔ اس سے  
 انکشاف تمام اور دریافت حقیقی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس معلول کی علتیں اور قوتوں کی دریافت  
 ہوتی ہے۔ اسلئے اس سے اور مذہب سے مخالف نہیں دو روشنی ہے ایک عقل کی  
 ایک روح کی سائنس مخلوق کے نینے طے کرتا ہے اور اس طرح ایتھرنک پوینچرک  
 جاتا ہے۔ اور مذہب روحانی قوت سے پہلے خالق تک رسا ہوتا ہے کہ خالق ہی تھا  
 مخلوق تو تھی نہیں اسلئے مخلوق سے فانی ہو جاتا ہے۔ پھر خالق نے جس جس طرح بنایا  
 اوسی طرح اور تراتا ہوا انسان تک جو آخری مخلوق ہے پوینچ جاتا ہے۔ اور یوں ہی بنا  
 مطابقت واقعہ بھی ہے۔ نہ یہ کہ مخلوق سے خالق بنا ہو۔

اے اہل سائنس یقین مانو۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یغْنِیْ عَنْ الْحَقِّ شَیْئًا۔ وہم وگمان خدا  
 سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے چند قوتیں دریافت کی ہیں۔ تو اسے خدا ہی کا ذریعہ  
 بناؤ۔ وہ خدا ہی ہے جسے تمہارے ہاتھ میں جس طرح آب و آتش خاک و باد کو مسخر کر دیا ہے  
 اسی طرح ان قوتوں کو بھی تمہارا مسخر کر دیا ہے۔ اوسے ڈھونڈو جسے ایتھرنک کو بنایا اور  
 اسے پاؤ جسے قانون قدرت بنایا اور ایتھرنک کو اوسکا مسخر اور محکوم کیا ہے۔

## توحید

اول مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ خدا ہے یا نہیں اور اسکے ماننے کی ضرورت کیا ہے  
لیکن میری یہ غرض نہیں کہ خدا کسی ضرورت سے تسلیم کیا جائے کہ اگر ضرورت مفروضہ  
ہو تو خدا بھی فرضی ہو اور اگر ضرورت کا کوئی حصہ فرضی ہو تو اسی درجہ تک خدا بھی فرضی ہو  
اور اگر کوئی ضرورت سے بے نیاز ہو جو ایک اعلیٰ صفت ہے تو اسکا خدا سے بے نیاز  
رہنا بھی اعلیٰ صفت سمجھی جائے بلکہ میری غرض یہ ہے کہ ضرورت ہو یا نہو حقیقت میں کچھ  
کہ خدا ہے یا نہیں اگر ہے تو چونکہ وہ خدا ہے اسکی عبودیت کو تسلیم کرو۔ مخلوق سے خالق  
کو پہچانو اور ہر چیز پر نگاہ کرو تو پتہ چل جائے گا۔

برگ و نختان سبز و نظر ہوشیار  
و لان من شیخ الایسیحون بحمدہ و لکن لا یفقہون تسبیحہم  
نمبار ہر چیز پہچانی جاتی ہے اپنے صفات سے یہی ہم دیکھتے ہیں اور یہی مثال  
ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اسلئے خدا بھی پہچانا جائیگا اپنے صفات سے جس چیز  
کو دیکھو وہ مجبوریہ صفات ہی نظر آتی ہے لیکن جتنی صفتیں ہیں سب محدود صورت میں  
ہیں کمی اور بیشی میں نظر آتی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کہیں کوئی صفت محض  
ہی کم پانی جائے اور کہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ میں۔ پھر ایک درجہ اسکا ایسا ضرور  
ماننا پڑیگا جس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہو گویا اس صفت کا وہ معدن ٹھہرا جیسے دریا اور  
اسکے شعبے ایسا ہی ہر اک صفت کا کوئی معدن ضرور ہے مگر جس طرح ہم عالم میں دیکھتے  
ہیں کہ چند صفتوں کا ترکیب اگر ہے تو کسی ذات میں ہے اسی طرح یہ بھی ماننا پڑتا ہو کہ

صفات کے سائے معدن بھی ضرور کسی ذات میں ہیں چونکہ ہر چیز میں ہر صفت محض محدود اور مرکب صورت میں نظر آتی ہے اسلئے اسے صفت مرکب محدود سمجھنا چاہئے اور اس صفت کے معدن کو صفت بسیط۔ چونکہ دریا قطرہ کے احاطہ میں نہیں آسکتا اس لئے صفت مرکب محدود صفت بسیط کا احاطہ نہیں کر سکتے اور یہ صفت بسیط کے غیر محدود ہونے کی کافی شہادت ہے جو بعد اذنتہائے صفت مرکب ہیں۔ اسلئے محدود صفت بسیط کے کیفیت و کم سے سوائے اسکے کہ ایک حس یا ایک یافت حاصل کرے اور کیا بیان کر سکتے ہیں اس سے یہ سمجھا گیا کہ خدا نام ہے اوس ذات کا جو معدن صفا بسیط غیر محدود ہے اور مخلوق نام ہے اوس طور کا جسے چند محدود و صفتوں کے ترکب نے میسر کیا ہے۔ لایذیرکے الایبصار و هو یدیرکے الایبصارہ بینائی اُسکا احاطہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ بینائی کو محیط ہے۔

**نمبر ۲** کائنات اور کائنات کی ساری چیزیں صاف کہہ رہی ہیں کہ ہم میں ترکب ہی انتظام ہے اور باہم سخت سے سخت تعلقات وابستہ ہیں۔ یہ شاہدہ ہیں دلیل اس بات کی ہے کہ یہ چیزیں اپنے آپ نہیں بنیں اپنے آپ منتظم نہیں ہوئیں۔ اپنے آپ اپنے تعلقات کو باہم وابستہ نہیں کیا۔ بلکہ کسی نے بنایا اور جس نے بنایا اوس نے منتظم کیا۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات وابستہ کئے کوئی آب و دان کا محتاج ہے تو آب و دان ہوا اور حرارت نمی۔ اور حرارت ارضی کا محتاج ہے کوئی زمین کی اندرونی و بیرونی تو تون کا محتاج ہے تو یہ قوتیں پہلی آمیزش اور علیحدگی کی محتاج ہیں کوئی باہمی دوری کا محتاج ہے۔ تو کوئی باہمی شمس کا محتاج ہے جس طرح سب چیزیں اپنے حیرت افزا وجود اور اپنے منتظم اور مضبوط قانون کی نعمتوں سے مالا مال ہیں اوسی طرح اپنے احتیاج کی

ضرورتوں کی محتاج ہیں فطرت اسکی کوئی مثال نہیں دے سکتی کہ کوئی چیز آپ سے آپ بنی ہو۔ آپ سے آپ منتظم ہوتی ہو اور آپ سے آپ محتاج بن بیٹھی ہو۔ اسلئے ہر ایک شے کا بلکہ فطرت کا بھی کوئی خالق اور منتظم ماننا پڑے گا۔ یہ ساری چیزیں خالق کی گواہ اور اپنے بنانے والے اور منتظم کرنے والے کی نجدتی ہیں۔ ساتھ ہی اسکے اسکی بھی کہ سب کا خالق اور منتظم ایک ہی ہے متعدد ہونہیں سکتا۔ کیونکہ جب کوئی چیز آپ سے آپ نہیں بنی تو کائنات بھی آپ سے آپ نہیں بنی۔ پھر ایک کائنات کا بنانا اور وہ یہ ممکن نہیں جس طرح ایک فعل کا دو فاعل ہونا ممکن نہیں۔ اسی طرح نظم و انتظام کائنات بھی ایک فعل ہے اس کا بھی دو فاعل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کائنات کے ہر افراد کا جو باہم تعلق پایا جاتا ہے وہ ایک تعلق کا لگاؤ دینا بھی ایک ہی کام ہے۔ اب یہ کائنات جو ہستی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اسکو ہستی کی صورت دینی اس میں نظم و انتظام کرنا۔ اس میں ایک دوسرے سے لگاؤ پیدا کرنا یہ سب اور علیٰ ہذا سارا ظہور ایک صفت خلتی کا ایک ہی فعل ہے یعنی عدم سے ظہور میں لانا پھر یہ ایک فعل دو فاعل کا نہیں ہو سکتا۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا بِالْفَرْضِ أَلَا إِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ فَعَلْتَهُمَا تَوَكَّلْنَا عَلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ سَيُجِيبُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ جِوَابًا سَرِيعًا

دو سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس صورت میں دو ذوں فاعل ایک دوسرے کے محتاج سمجھے جائیں گے لیکن فطرت میں ہم قدرت پاتے ہیں اور محتاج و عاجز قدرت نہیں پیدا کر سکتا اسلئے ضرور ہے کہ قدرت کا پیدا کرنے والا عاجز نہ ہو محتاج نہ ہو اور اسکا فعل بلا احتیاج شرکت ہو۔

نہیں اس عالم میں جتنی چیزیں ہیں سب متحرک ہیں کوئی اپنے محور میں ہے کوئی کسی کے گرد ہے۔ کوئی آپ اپنی حرکت سے ہے کوئی دوسری کی حرکت سے ہے

مثلاً زمین کے ساتھ اسکے سارے اجزا کا متحرک ہونا۔ دیکھنے میں آئے یاد آئے  
 مگر حرکت سے کوئی ایک ذرہ بھی خالی نہیں ہے۔ ہر چیز حرکت اور گردش میں ہے پھر  
 سکون کے معنی یہ ہیں کہ حرکت دیکھی نہ جائے اور محسوس نہ ہو اسی اصول پر زمین ساکن ہے  
 ورنہ سکون تو کہیں بھی پایا نہیں جاتا۔ پھر یہ کائنات کا حرکت میں ہونا۔ یا زمین کا  
 بیک وقت تین تین حرکتوں میں ہونا کیا بغیر کسی محرک کے ہے۔ کیا فطرت اس کی  
 مقتضی ہے کہ حرکت بے محرک ہو۔ کیا عقل سلیم اسے تسلیم کر سکتی ہے کہ دھوان ہو اور  
 آگ نہ ہو۔ پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کائنات کی یہ ساری گردشیں جو کسی مضبوط اصول  
 اور مستحکم قواعد پر ہیں اور جس سے عالم کا سارا نشوونما اور ساری نیرنگیاں ہیں بے کسی  
 محرک کے ہونے میں سکتیں! اسی محرک کو فعال ھدایہ یدہ کے دعوے کا حق  
 ہو چتا ہے۔ یہ دعویٰ اسی کو ذیبا ہے نہ اس چیز کو جو حرکت میں ہے اس محرک کا پتہ ہر  
 حرکت سے چلتا ہے اور ہر ایک شے سے جو حرکت میں ہے وہ بین ثبوت اس کا  
 بھی ہے کہ محرک کبھی دو ہونے میں سکتا کیونکہ ہر ایک چیز میں ایک ہی طرح کی حرکت  
 پائی جاتی ہے۔ گو مختلف سمت ہے مگر مختلف الاوضاع میں۔ دوسرے طرز اور  
 دوسری شان کی حرکت کا تو وجود ہی خیال میں نہیں آتا اور پایا جانا تو کجا پھر ایک  
 حرکت کا پیدا کرنا اور وہ یہ کسی اصول سے صحیح ہونے میں سکتا اس لئے یہ تسلیم کرنا  
 پڑے گا کہ ایک ہی محرک کی ایک ہی حرکت ہے جو ہر اشیا اور ہر ظہور میں ہے جس نے  
 پیدا کیا جسے بنایا قدرت اور دست رسی کا وہی تخت بھی ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء  
 ویستحکم ما یرید ۵

نمبر ۱۰ یہ عالم اور اسکی ساری چیزیں سب اسی کی مدعی ہیں کہ ہم میں

یہ کسی کا دعویٰ نہیں کہ ہم تھے یا ہم رہیں گے اس دعوے کی دوچہتر دلیل۔ اس کے یقین دلانے کی نہ کوئی صورت ہے نہ قرینہ۔ دعویٰ بے دلیل ہو بھی تو باطل ہے اسلئے جو کچھ دعویٰ ہے وہ یہی ہے کہ ہم ہیں یہ ہیں تو صفات کی طرح بدلتا رہا بہترے ہیں کے مدعی آج نہیں ہیں مگر یہ ہم ہے کہ ذات کی طرح سب میں ہے۔

کیا آسمان کیا زمین کیا جمادات۔ کیا نباتات کیا حیوان۔ کیا انسان کیا مجسم اشیا، کیا غیر مجسم اشیا۔ کیا خیالی دنیا۔ کیا کیفیاتی دنیا۔ سب زبان حال سے اسقدر کہہ رہے ہیں کہ ہم ہیں سب میں ایک ہم ہے ظاہر سے ظاہر بھی چھپا ہے چھپا بھی جس میں نہ کوئی زمانہ پایا جاتے اور جسکی نہ کوئی حد پائی جاتی ہے جس میں نہ کسی طرح کا تبدل آتا ہے نہ کسی طرح کا تغیر ہی۔ اگر ہر ایک کا ہم جدا جدا اور مختلف ہو تو اختلاف کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے اسلئے یہ ناگزیر ماننا پڑے گا کہ ایک ہم ہے جو مختلف زمانوں میں ایک طرح پایا جاتے جسکی شانین تو بدلتی رہتی ہیں کہ ہم تھے یا ہم تھے ہم ہونگے یا ہم نہ ہونگے۔ مگر اس طرح کہ اُس ہم میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اب یہ سوچو کہ وہ کون سا ایک ہم ہے جو سب کی زبان سے گویا ہے۔ وہ کون سا ایک ہم ہے جو وجود کے مختلف لباس میں جلوہ آ رہا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ ہمارا جسم ہماری روح یہ ہم سمجھنے کی چیز ہے پھر جس طرح ہم اپنے کو ہم کہتے ہیں اسی طرح یہ عالم من حیث الکل اپنے کو ہم کہتا ہے۔ کیا معنی کہ جس طرح وہ ایک ہم ہماری صورت میں جلوہ گر ہے اسی طرح وہی ایک ہم عالم کی صورت میں جلوہ گر ہے پھر جس طرح ہماری صورت اُس ایک ہم کا ایک لباس ہے اسی طرح سارا عالم اوس ایک ہم کا ایک لباس ہے۔ لباس ہزار بدلے لیکن وہ ایک ہم ہے کہ نہیں بدلتا

اور نہیں بدل سکتا ہے جیسے آفتاب چاہے قطرے میں دکھائی دے چاہے وہ یامین چاہے رنگین شیشہ سے چاہے بیرنگ شیشہ سے کیفیات میں فرق ہوگا۔ مگر آفتاب میں کوئی فرق نہیں آتا پھر وہ ہم کیا ہے جو آفتاب کی طرح ہر صورت میں تابندہ ہے اسے ڈھونڈھو۔ اُسے پاؤ جسے پاسکتے ہو مگر کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

**نمبر**۔ جس چیز کو دیکھو اس میں دو چیزیں پائی جائیں گی ایک اُسکا وجود دوسرے اوس کا ظہور۔ یعنی ایک اُسکا ہونا۔ دوسرے اُسکا صفات سے متصف ہونا جس سے وہ پہچانی جائے۔ وجود غیر متغیر ہے اور اپنے بسیط صفات کے ساتھ ہے۔ اور ظہور متغیر ہے ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً انسان کا ہونا بذاتہ ہونا یہ ہر حال میں یکساں ہے کہ وہ ہے لیکن وہ پیدا ہوا۔ جوان ہوا۔ بوڑھا ہوا۔ مر گیا۔ درخت اوگے بڑھے پھولے پھلے پھر ایک دن سوکھے سڑے غائب ہو گئے اُسکے صفات یعنی اُسکا ظہور ہر آن بدلتا رہا۔ وجود جسے ظہور کیا تھا وہ اُس صورت میں بھی تھا۔ اور آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی صورت میں بھی ہے چاہے کسی شکل میں یا کسی عالم میں ہو۔ اور ظہور ہر آن تغیر کی حالت میں ہے چاہے وہ غیر متغیر ظاہر ا دکھائی دے۔ وجود بہر حال اپنی حالت پر رہتا اور کبھی معدوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ عدم کا وجود پایا نہیں جاتا۔ جس طرح دُوحدا کا وجود پایا نہیں جاتا۔ عدم محض کی تو گنجائش ہی نہیں اسی ایک وجود کی دو شانیں ہیں۔ وجود نما۔ اور عدم نما۔ وجود ہی تھا وجود ہی ہے وجود ہی ہے گا۔ پھر یہ سارا ظہور جو ایک ایک کر کے بدلتا جاتا ہے اگر اسے ایک دم سے غائب سمجھو تو رہ جائے گا۔ صرف

ایک وجود اگر یہ سارے ظہور جو اپنی رفتار سے غائب ہوتے ہی جاتے ہیں تھوڑی دیر کیلئے فرض کرو کہ ایک دم غائب ہو گئے۔ پھر جو کچھ بھی ظہور کا شہہ پایا جاتا ہو وہ بھی متغیر ہے۔ اُسے بھی غائب ہونے دو اُس کے بعد صرف ایک وجود کا ایقان رہ جائیگا کہ ہے۔ کیا ہے کیونکر ہے کس طرح ہے۔ کوئی بیان اسکے لئے کافی نہ ہوگا ہونا اور چیز ہے اور کسی چیز کا ہونا اور چیز ہے۔ اگر کسی چیز کو کہو کہ ہے تو وہ چیز متعدد ہو سکتی ہے لیکن یہ سب متعدد نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کون سی بات ہے جو ہر زمانہ میں ہر حال میں ہر ظہور میں ہر بطون میں ہے۔ لائن ۲۴

ذالک لایہ

نمبہر ہر ایک شے جس پر نگاہ پڑتی ہے وہ اسی کی مدعی ہے کہ میری صورت کچھ اور ہے اور میری حقیقت کچھ اور۔ صورت پر خیال کرو تو یہ چند اسباب کے ترکیب کی صورت اجتماعی ہے۔ اگر صرف یہی مان لیا جائے اور حقیقت سے چشم پوشی کی جائے تو جو صفات اسباب میں پائے جائیں گے اُن کی ترکیب سے اگرچہ ایک تیسری صورت نظر آئے گی مگر اُن صفات کے اندر ہی ہوگی۔ تیل پانی کو ملاؤ تو ہاتھی نہ بن جائے گا اُس میں تعقل نہ آئے گا۔ اب فطرت سے جو علیتیں اکٹھا ہوئیں اور اُن سے جو چیز پیدا ہوئی اوس میں اگر وہ تیرے ایسے صفات پائے جائیں جو اُن علتوں میں نہ تھے تو اُسے کہاں سے ترکیب عناصری سے جو مخلوق بنی اُس میں انہیں صفات کا پایا جانا لازم ہے جو ظاہر یا پوشیدہ عناصر میں ہوں اور جب تیسری قوتیں اُس میں مضمر پائی جاتی ہیں تو یہ مجبور کرتی ہیں کہ اُنکی حقیقت کی طرف توجہ کی جائے کہ یہ آئیں کہاں سے۔ عناصر میں نہ تعقل ہے نہ اختیار

اور علیٰ ہذا بہترے صفات پھر انہیں ہزار ملاوید مستزاد کیفیات نہیں آسکتیں۔ اگر کہیں مستزاد کیفیات پائی جاتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیسری حقیقت بھی ہے جو ان کیفیات اور ان صفات کا معدن ہے۔ پھر جس طرح عناصری مخلوق (اگر اسکی علتوں کی طرف توجہ کی جائے تو) مٹ کر عناصر میں آئے گی اسی طرح یہ سارا عالم اور یہ سارے حقائق مٹ کر اُس حقیقت میں آئیں گے جسے عین حقیقت جامعہ کہوں گا پھر حقیقت جامعہ ایک ایسا مرکز ہے جو اپنے کل حقائق کے دائروں کا مرکز نظر آتی ہے۔ حقیقت جامعہ کا پتا تو لگا لگ کر یہ بھی مجموع صفات ہی نظر آتی ہے اور صفات نہیں پایا جاتے ہیں گرد ذات میں۔ اس لئے حقیقت جامعہ بھی اپنی ذات سے آگاہ کرتی اور اپنے بنانے والے کا نشان دیتی ہے۔ گویا حقیقت جامعہ ایک فاعل کا ایک فعل ہے اور سارے حقائق کے دائرے اسی حقیقت جامعہ کے ظہور ہیں۔ غرض سارے حقائق سے حقیقت جامعہ کو پاؤ اور حقیقت جامعہ کے روزن سے دیکھو تو اُس خلاق مطلق کا پتہ لگ جائیگا۔ جس طرف مذہب بلا تاسے۔ وَالَّذِينَ جَاءَهُدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

نمیب جس چیز کو دیکھو یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اُسکے سارے کوشمے اسکی روح کے ہیں۔ کہ جب تک یہ اُس میں جلوہ آرا نہ دو چیز دو چیز نہیں ہو سکتی ہوا میں جمادی روح۔ نباتات میں نباتی روح حیوان میں حیوانی روح۔ اور انسان میں انسانی روح۔ اب یہ روح کیا ہے اگر اجتماع اسباب کا نتیجہ ہے تو اسباب مجتمع کر دیکھو اگر اُس کا فوٹو بھی نہ اتر سکے تو علتوں کے سمجھنے اور نامزد کرنے کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی یہ تجربہ کافی شہادت دیگا کہ اجتماع اسباب کے کوشمے

روح سے ہیں نہ کہ روح اجتماع اسباب کا کہ شمد ہے حقیقت میں روح اک عجیب پوشیدہ  
ظاہر شے ہے کہ پوشیدہ سے پوشیدہ اور ظاہر سے ظاہر ہے اُس پر بھی نہیں کھلتی کہ ہر  
کیا۔ اگر اسے کسی طرح کی قوت کو تو کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ قوت کے معنی یہ ہیں اور قوت  
اُسی کو کہتے ہیں کہ اسکی طاقت تو دیکھی جائے مگر وہ سمجھ میں نہ آئے سمجھ سے پرے ہو۔  
پھر اسے روح کو یا قوت بات ایک ہے یہ غلطی عام ہے کہ لوگ ایسی شے کو قوت کہہ کر  
الگ ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے بہر کیف چاہے روح سمجھ میں آئے  
نہ آئے باوجود اسکے بھی یہی چیز فکر طلب ہے۔ اگر اپنی ہی روح پر ذرا ادب کر تو ہرگز  
تو اس پردہ سے سے جھلک تمہیں نظر آئے گی۔ وہ چکار اٹھگی دع نفس کے و تعال  
اس برقعہ کو ہٹاؤ اور مقصود کو پاؤ۔ چونکہ روح نظارہ باز حقیقت کے لئے اک جلی آئینہ ہے  
جس میں حقیقت دکھائی دیتی ہے اسلئے مذہب نے ادھر متوجہ کیا اور پوری طرح متوجہ کیا  
مگر چونکہ یہ سمجھ سے پرے ہے اسلئے مذہب نے اسکا سمجھانا بے نتیجہ سمجھا ہر حال یہ دکھائی  
نے نہ دے مگر مذہب کی یافت جسکی بحث میں اوپر کر آیا ہوں اسے پاسکتی ہے۔ اُسی  
مذہبی رفتار سے اسے پاؤ تو تمہیں خدا کی دلیل ملے نہ ملے مگر اسکی یافت حاصل  
ہو جائے گی جو دلیل سے اعلیٰ تر ہے۔

جس طرح تمہیں کم سے کم اپنی جان کا یقین ہے اُسی طرح تمہیں جان جان کا یقین  
حاصل ہو جائیگا اور تم دیکھ لو گے کہ حقیقت میں دریا میں کوئی خورشید جلوہ آرا نہیں نہ خورشید  
آسمانی کی تصویر اور عکس ہے جسکا جلوہ اس چمک دمک کے ساتھ دکھائی دیتا ہے  
اگر تم نے اُس آفتاب عالمتاب کو پایا تو مراد کو پہنچ گئے۔ کیا عکس آفتاب سے تم آفتاب  
کو نہیں پہچانتے اُسی طرح کیا اپنی جان سے تم جان جان کو نہیں پاتے ہر چیز کسی نہ

کسی طرح کی جان دار ہے۔ اور ہر جان اپنی جان جان کی شہادت دیتی ہے کیا اتنی شہاد تو بڑی بھی تمہیں خدا پر یقین نہیں آتا۔ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ۔

**نمب** بہمان دیکھو ہر چیز میں آگ اور پانی یہ کجا ہیں۔ ہر چیز اجتماعِ ضدین کی مثال ہے۔ جبر و اختیار کو خیال کرو۔ ہر جاندار اک حد تک مختار بھی دکھائی دیتا ہے اور ایک حد تک مجبور بھی کسی کی قدرت ہے کہ اختیار کو چھینے اور کسی کا اختیار ہے کہ اس جبر کی حد بندی کو توڑے۔ انسان غمائے ایجاد کرے مگر پر وار نہیں ہو سکتا ہزار گہرے کنوئین کھوئے مگر اس کرہ کی دوسری سطح نہیں پاسکتا۔ لاکھ معالجے ایجاد کرے لیکن موت سے نہیں بچ سکتا۔ ہزار قوتِ قدرت حاصل کئے تو بھی اپنی فطرتی ضرورتوں سے ہرگز بے نیاز نہیں ہو سکتا یون کھر کی چوحدیون میں جو چاہے وہ کرے اپنی زبان ہے جو چاہے کہے۔ ہزار تعلیوں کا پہاڑ کھڑا کرے مگر نہ زمین کو پھاڑ سکتا۔ پہاڑ کے طول کو پوچھ سکتا ہے۔ جب فطرت کا ہر جزو بلکہ اوس کا بجزو عظیم انسان اتنا مجبور ہے۔ تو اس فطرت کو مجبور کس نے کیا؟ اسکی حد بندی کس نے کی؟ فطرت اگر فانی اور مخلوق نہیں ہے تو کیوں نہیں وہ آزادی حاصل کرتی۔؟ کیونکہ اُسکا کوئی جزو آزاد نہیں ہے اور اس لئے وہ خود بھی آزاد نہیں ہے افسوس ہو اے خدا کے بندو! فطرت کی یہ بین شہادت ہے کہ وہ مجبور ہے اور مخلوق ہو اور تم اسی کے پروانے ہو رہے ہو اُسکو اُسکے بنانے والے نے سوائے اُسکے کہ وہ اپنی ضرورتوں سے فارغ البال ہو اُسے مجبور بنایا ہے۔ پھر اے مجبور انسان! کیا تو اپنے جبر سے اُس مختار کو نہیں پہچانتا جس نے تجھے مجبور کیا ہے اور جس نے تجھے اتنا بھر اختیار بھی دیا ہے۔ کہ تو اُس اختیار سے اُس مختار کو پہچانے اور خالص

کی عظمت و جلالت کے نور سے دل و دماغ روشن کرے۔ کیا جبر و اختیار کی حد بندی آپ سے آپ قائم ہو گئی اور ایسی مضبوط کہ نیچر ہزار چاہے کہ لے توڑے اور اپنی پرواز بلند کرے مگر وہ مجبور ہے۔ پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس نے نیچر کا ایسا دلکش باغ لگایا اسکی چہار دیواری کھینچی اسین جبر و اختیار کی روشنی آ رہی تھیں وہ خدا ہی ہے۔

وہ خدا ہی ہے جو ان مشرتوں کو توڑے توڑے مگر توڑ سکتا ہے پھر قدرت اختیار اسکے لئے زیبا ہے نہ کسی اور کے لئے۔ اسکے سوا قدرت کامل اور اختیار تام کا کہیں پتہ و نشان نہیں ملتا اور نہ مل سکتا ہے اسی نے اپنی قدرت کامل سے سب کچھ بنایا اور سب کا اندازہ قائم کیا۔ لَنْ يَكُنَّ شَيْءٌ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ مِّنْهُ كُلُّ شَيْءٍ كَانُودًا مِّنْهُ۔

**نمبر ۹** یہ آسمان جو دکھا جاتا ہے کہ ہے اور بدیہی ہے یہ کیا ہے کچھ ہے تو ضرور جب آنکھوں میں اسکا عکس آتا اور دکھائی دیتا ہے۔ اگر ہوا ہے تو پاس کی مکدر ہوا باوجود شمول اجزائے ارضیہ کے دکھائی نہیں دیتی پھر یہ اوپر کی لطیف ہوا کیوں دکھائی دیگی۔ اگر خلائے محض ہے تو عدم کی طرح نملائے محض کہیں پایا نہیں جاتا۔ اگر حد نظر ہے جو فلسفہ جدیدہ کی تحقیق اور سائنس کی غایت رسائی ہے۔ جب بھی یہ نیلا نیلا رنگ جو دکھائی دیتا ہے ہوا کا کہا جائیگا لیکن ہوا تمام نیلی اور کروی شکل کی نہیں دکھائی دیتی۔ ہاں پہاڑ ہی اپنی عظمت و شان سے آسمان کے عقدہ لانچل کو کھول سکتا ہے کیونکہ پہاڑ ہی اس دنیا میں ہے جو بلحاظ اپنی بلندی کے آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ پہاڑ کو جب قریب تر آنکھوں سے دیکھو تو وہ نیلا نہیں دکھائی دیتا اور

جتنا دور جاو وہ نیلا آسمانی رنگ کا دکھائی دینگا۔ اور وہ فیلی چیز اسی شکل و صورت کی دکھائی دے گی جس طرح کا پہاڑ ہوگا۔ پہاڑ پر جاو۔ اور اس سئلہ کا امتحان کرو۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب ہوا کے پرے کوئی مجسم مادی چیز ہوگی۔ تب ہوا نیلے رنگ کی دکھائی دے گی ورنہ نہیں۔ اسی طرح آسمان کی طرف جب ہوا نیلے رنگ کی اور شکل کرہ دکھائی دیتی ہے تو یہ بین دلیل ہے کہ ضرور اس ہوا کے پرے کوئی مجسم مادی چیز بشکل کرہ ہے جو آسمان اول اور اس دنیا کا آسمان ہے جسکے نیچے ستاروں کے کرے ایسے تھرین ڈوبے ہوئے ایک دوسرے کی کشش پر قندیل کی طرح لٹکتے اور درخشان ہیں پھر وہ آسمان ہے کہاں؟ مذہب کا دعویٰ ہے کہ پانچ سو برس کی آسمانی راہ پر ہے یعنی نظر یا روشنی کی راہ جو دنیوی اٹھارہ کروڑ برس کی راہ ہے اور اس روشن زمانہ کی اسٹرونومی تیس ہزار برس دنیوی راہ کی رفتار کی مدعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہتر سے سائے جو کبھی دکھائی دیتے اور کبھی نہیں دکھائی دیتے ہیں وہ کبھی اسٹرونومی کی پرواز کے اندر آجائے تھے اور کبھی باہر چلے جاتے ہیں پھر اس پرواز پر اسٹرونومی کیا دریافت کر سکتی کیا مدعی ہو سکتی اور کس اصول پر آسمان سے انکار کر سکتی ہے اگر اتنی قوی دور بین اب تک نہیں بن سکی ہے کہ ستاروں کا عالم طے ہو سکے جیسا کہ یہ کمکشان اپنے روشن اجسام کے سبب پرواز آگے نہیں بڑھنے دیتے گویا جو مالکشاہین ہیں پھر کس اصول پر اس آسمان سے جسکی شہادت پہاڑ سے ملتی ہے اسٹرونومی کو انکار کا حق حاصل ہوا ہے۔ پہاڑ جیسے آسمان کا ثبوت دیتا ہے اسکا اٹھنا پہاڑ ہے۔ پھر اس آسمان کی بلندی اسی وسعت کیا عقل و سمجھ اسے ناپ سکتی ہے۔ یا اتنی بڑی وسعت کا بیجان و بے جاندار ہونا خیال میں لاسکتی ہے کیا اسکی مخلوق کی نسبت عقل کوئی اندازہ یا تھاہ پاسکتی ہے ہرگز نہیں پھر جب آسمان اول ثابت

ہو گیا تو اور آسمانوں کے دعوے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ سات آسمان تہہ پہنچ پانچ سو برس کی راہ پر بیضاوی پر شکل کرہ ہیں۔ اور یہ زمین بیچ میں بنزلہ مرکز قائم ہے۔ اور کشش آسمانی سے محفوظ چوکنک اپنی کشش کا اثر اپنے آپ پر نہیں ہوتا یہ مسلم مسئلہ ہے۔ اب کرہ زمین پر جہاں کہیں کوئی کھڑا ہو تو یہ زمین کرہ آسمانی کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی دکھائی دیگی نصف سات اوپر اور نصف سات نیچے۔ اوپر کے طبقے سات آسمان ہیں اور نیچے کے طبقے سات زمینیں۔ آسمان کے معنی بھی اوپر کے ہیں اور زمین کے معنی برخلاف اسکے نیچے کے پھر یہ زمین جو مرکز ہے اور انسان کا سکن یہ بہ اعتبار اسکے کھولا جھولنے والے کے نیچے زمین کہی جائے گی اور جھولا شمار میں نہ آیا گیا یہ زمین بھی شمار میں داخل نہوگی اور اس اعتبار سے جب زمین بولی جائیگی تو زمین کے دو سات طبقے مراد ہوں گے اور باعتبار اسکے کھولنے والے کے نیچے جھولا کہا جائیگا یہ زمین شمار میں داخل ہوگی۔ قرآن مجید میں سموات کا لفظ تو بہتری جگہ آیا ہے جو صیغہ جمع ہے مگر ارض کا لفظ کہیں جمع نہیں آیا جسکے معنی یہ ہیں کہ آسمان تو سات ہیں اور زمین ایک صرف ایک جگہ ہے۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۚ وَالْاَرْضَ مِثْلَهُنَّ ۗ تَوَاسَّكَ يَهْنِ نِيْن كُز مِيْنِيْن يَهْنِ سَات يَهْن بَلَكُه اسكے معنی یہ ہیں کہ زمین کو ہینے آسمان کے مثل بنایا یعنی آسمان کو زمین پر قیاس کر لو کہ وہ بھی کر وہی شکل کے تھوس مجسم کرے ہیں۔ مذہب نے تیرہ سو برس پہلے آسمان زمین کی نسبت بتا دیا ہے۔ اور ہر اعتبار سے سمجھا دیا گیا ہے۔ پھر یہ زمین یہ آسمان۔ آسمان زمین کے درمیان ہوش ربا طلسم کا دریا جس میں سیاتے اور ثوابت آفتاب و ماہتاب بلکہ یہ زمین بھی بیلے کی طرح ہوا ہے سستی و ماخون میں بھرے تیرتے پھرتے ہیں۔ کسکی قدرت کا ملکہ کے کرشمے ہیں اور کسکی صنعت کے گلہستے ہیں اے فکر بلند۔ اے عقل سلیم۔ کیا قدرت

بے قدرت والہ کی تو نے دیکھی ہے۔ باغ میں طرح طرح کے پھول تو تو نے دیکھے ہوں گے  
 مگر کیا کوئی گلہ ستمہ بغیر بنانے والے کے بھی تو نے دیکھا ہے کیا کسی عظمت و جلالت کی  
 ہیئت ان نظارہ بازیوں سے تیرے دل میں نہیں چھا جاتی۔ اور کیا اس پر بھی تیرے  
 ایمان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَمِلْتَ** بَرِّئْنَا مِنَ الْكُفْرِ بِرَبِّهِ  
**نَمْتَلِكُ** یہ ماہتاب جو اک طرف شدہ کرہ مانا گیا ہے جس میں آبادی کی نشانیاں  
 بھی پائی جاتی ہیں یہ آفتاب جو کرہ زمین سے کئی کروڑ گونہ بڑا ہے جسکی تجلی کے آگے  
 دورین اور قیاسات جو آجکل یقینیات کے درجہ میں شمار ہوتے ہیں ان کی آنکھیں  
 بھی خیرہ ہیں وہ بڑے بڑے سیارے جو آفتاب سے بھی کروڑوں گونہ بڑے ہیں۔  
 ان سے بھی بلندی والے سیارے جن کی روشنی بھی بدو عالم سے آجتک کرہ زمین پر  
 نہیں پہنچی۔ یہ لکشان جن میں کروڑوں لاکھوں لاکھوں ستارے ہیں پھر ان سے  
 بھی اوپر ایسے ہی لکشان اور علیٰ ہذا جہان اوہام کی آنکھیں بھی چکا چوند میں پڑی ہیں  
 پھر ان سب کی کشش ان سب کی گردش گردش کی مقدار گردش کا انتظام کہ اگر بال برابر  
 بھی فرق آجائے تو یہ سارا کچھ تہ و بالا ہو جائے لے انسان کیا یہ تجھے خلاق عالم  
 اور منتظم حقیقی کا پتا نہیں دیتے کیا اسکی کبریائی کا نور تیری آنکھوں کے سامنے نہیں  
 چمکتا اتنی بڑی بڑی مخلوق کے سامنے تیری زمین کی ہستی کیا اور تیرا تو عدم وجود برابر  
 ہو جاتا ہے کیا انکے اندر کی مخلوق کی نسبت تیری عقل و فہم کا عجز تجھے متنبہ نہیں کرتا کہ مخلوق  
 کی حقیقت سمجھے اور خلاق عالم کو پہچانے کیا تو اندھی دورین سے آسمان کو ناپنے اور  
 اپنے ناقص اور محض ناقص سمجھ سے خدا کی خدائی کا جائزہ لینے چلا ہے۔ لے طالب حق!  
 ہر مخلوق سے خالق کو ہر حرکت سے محرک کو ہر انتظام سے ناظم اور منتظم کو پہچان ہر عجز سے

قدرت کی ہر قدرت سے قادر کی قدر کر۔ ہر جسم میں اسکی جان کو دیکھ ہر ظاہر سے اسکے باطن کو دریافت کر۔ ہر ظہور سے اسکے وجود کو پا۔ اپنے کو دیکھ اپنی حقیقت میں ڈھونڈ لے۔  
 اس جستجو میں گم ہوا اور مطلوب سے جا مل۔ - لَانَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 وَآخِثَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ آيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ آسمان و زمین کی بناوٹ  
 اور رات اور دن کے رد و بدل میں عقلمندوں کے سمجھنے کے لئے قدرت خدا کی  
 بہتری نشانیاں موجود ہیں۔

**نمبر ۱۰** یہ انقلاب لیل و نہار بھی عجب گورکھ دھندھا ہے اسکو زیادہ وسیع طور  
 پر خیال کرنے کے لئے لیل و نہار کے معنی اندھیرے اور روشنی کے سمجھو اب سوچو کہ اندھیرا  
 کیا ہے اور روشنی کیا۔ اگر اندھیرے کے معنی روشنی نہ ہونے کے ہیں تو ویسا ہی کہا جاسکتا  
 ہے۔ کہ روشنی کے معنی اندھیرا نہ ہونیکے ہیں جیسے سردی ہے جو گرم ہوا اور گرمی ہے جو سردی  
 تو اس سے نہ اندھیرا سمجھ میں آیا نہ روشنی۔ اگر ان دونوں پر غور کی نگاہ ڈالو تو تاریکی میں روشنی  
 نظر آئیگی اور روشنی میں تاریکی یعنی تاریکی بھی ایک تاریک روشنی نظر آئیگی جیسے آفتاب  
 کی سنہری تو ماہتاب کی سفید۔ گویا اندھیرا اور روشنی یہ دو رنگ کی تمندلیں نظر آئیں گی  
 جن میں اصل نور جلوہ گرد کھائی دیگا۔ اور یہ راز خفی کھل جائیگا کہ حقیقت میں روشنی وہ ہے  
 جو نہ اندھیرے کی محتاج ہو نہ روشنی کی۔ وہ دکھائی دے نہ دے مگر ہے اس نور کو پاؤ۔  
 مگر جسے تاریکی میں کچھ نہ بجھائی دے اور وہ گہرا اٹھے تو اُسے کیا دکھائی دے۔ اَللّٰهُ  
 نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ ۝

**نمبر ۱۱** اس طرح رزق کو خیال کرو۔ جسکا جو رزق ہے اُسے وہ پہنچتا ہے۔  
 درختوں کو دیکھو چل پھر نہیں سکتے تو ان کو کمانا بھی نہیں پڑتا ان کا رزق آپ ان تک

دو ڈکڑا آتا ہے۔ حیوان کو دیکھو جسکی خوراک گوشت ہے اُسے گوشت، جسکی خوراک مچھلی ہے اُسے مچھلی، جسکی خوراک شکر ہے اُسے شکر۔ مدھ کھینو نکو پھولون کا رس تو پتھر کے کیرٹون کو اُنکی غذا۔ انسان کو دیکھو جب مان کے پیٹ میں تھا۔ تب بھی اُسکی غذا اُسکے پاس پہنچی۔ جب پیدا ہوا تو اُسکی مان کا خون دودھ بنا۔ پھر ایک خاص طرح کی محبت مان کے سینہ میں ودیعت رکھی گئی جو اُس بے زبان کو زبان کا کام دے۔ اللہ سے انتظام پھر جب بڑھا اور جو ان ہو تو اُس نے اپنے کو گویا ایک جنگل میں پایا اور ہاتھوں میں ہتھیار یعنی لکڑیاں کاٹو بیچو۔ کماؤ کھاؤ کمانے کا کام زمر کیا گیا۔ اور اسباب جس طرح اُسکی پیدائش کے لئے مہیا کئے گئے تھے یہاں بھی کئے گئے۔ اور اسباب کی صورت اختیار کی گئی مگر حقیقت میں رزق رسانی جو دوسرے کے اختیار کی چیز تھی اس ظاہری ذرائع سے یہ اختیار اُس سے سلب نہیں کیا گیا اور نہ یہ کام اُس سے کسی نے چھین لیا اُسکا جو کام ہے وہ جب بھی کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے اگر کسی پادشاہ نے کچھ انعام کسی خادم کے ہاتھ کسی کو بھیجا تو انعام دینے والا پادشاہ ہے نہ کہ خادم اسلئے کمانا تو ضرور ہو کہ تو تین کام میں لانے کو دی گئی ہیں کام میں لاؤ۔ مگر رزق کمانے پر منحصر نہیں بہتیرے کمانے والے تنگی میں ملین گے اور بہتیرے نکلے اپنے روزیہ رزق سے زیادہ پائے ہوئے۔ اگر یہ چیز اپنے ہاتھ کی ہوتی تو دینا اسی کی متوالی ہے کیا کچھ نہ کر لیتی اور تنگی کا کام نہ رہتا اس سے سمجھو کہ وہ کون ہے جسکے نرانے سے رزق کی تقسیم ہو ا کرتی ہے اور جس نے ہر کس و ناکس کے ساتھ ایک انداز لگا رکھا ہے جس کو کوئی توڑ نہیں سکتا تم اسی رزق کے سماے جیتے ہو۔ اور رازق کو نہیں پہچانتے۔ تم ہر لحظہ نعمتیں پاتے ہو۔ اور نعمت کو نہیں جانتے کیسی بے تمیزی اور سی نا شکری ہجران الانسان لکفور صیین

**نمبر ۳:**۔ اسی طرح راحت و آرام اور جمعیت خاطر کو خیال کرو۔ اگر یہ اپنے ہاتھ کی چیز ہے تو دنیا میں کون اسکا بھوکا نہیں۔ کیونکہ نہیں حاصل کر لیتا غریبوں کے جھوپڑوں میں جا کر دیکھو تو اگرچہ صحت جسمانی انکی حمایتی ملیگی۔ مگر نہ راحت و آرام کا پتا لیکتا نہ جمعیت خاطر کا نشان۔ امیروں کے محلوں میں جاؤ۔ عیش خانے تو آہستہ تہ ملین گے مگر کوئی صحت تندرستی کو روتا ہوگا تو کوئی نام و نشان کے پیچھے دیوانہ نظر آئیگا۔ انھیں روپے دو روپے کی فکر ہے تو انھیں ہزار دو ہزار کی فکر ان کے پاس نہیں ہے تو فکر بھی کم ان کے پاس ہے تو فکر بھی زیادہ۔ کوئی بھی دنیا میں ہے جو کم و بیش فکر و تعلقات سے آزاد ہے۔ اگر بنائے کا رد دولت پر ہے تو سارے دولت مند اس سے محروم ملین گے۔ اگر عقل پر ہے تو بہتر سے عاقل فلکات اور مصیبتوں کے ماسے ملین گے۔ ساری دنیا یہی راحت و آرام اور جمعیت خاطر کی جستجو میں مبتلا اور سرگردان ہے۔ اور سراب وار یہ سب کو دکھائی دیتا ہے کہ بس مقصد تک پہنچنے کی دیر ہے۔ پھر تو جمعیت خاطر کے ساتھ آرام ہی آرام ہے اور مقصد کا یہ حال کہ اسکی اگر ایک مہم سر ہوئی تو دوسری آگے ہے۔ جتنی اسکی تلاش اوتنی ہی یہ اپنے متلاشی سے دور ہے پھر یہ راحت و آرام ابھی کس کے خزانے کے موتی ہیں۔ اور جمعیت خاطر کے جواہرات کس کے کچھون میں پڑے ہیں۔ راحت و آرام کا بستر کس کے شیش محل میں بچھا ہے اور جمعیت خاطر کا لیمپ کس کی خلوت سرا میں روشن ہے۔ یہ ساری باتیں خدا کی گواہی اور اسکی خبر دیتی ہیں بڑھاپے کی اور ہر ذرا بھی توجہ کرے۔ یہ ایک عجیب تماشہ ہے کہ اسکی لاگ تو سب کے دلوں میں لگی ہوتی ہے اسکا سودا تو سارے سروں میں سما یا ہوا ہے مگر اس تک رسائی میں سر نہیں آتی۔ افسوس ہے لے اب و خاک کی مخلوق! وہ خدا جسے راحت و آرام اور جمعیت خاطر کو بنایا اور تجرید و تفریق یعنی ترک خود اور ترک ماسوا کے قلعہ میں اسے محفوظ کیا۔ عشق و محبت کو اس کا

پاسان بنایا۔ اوس نے پیغمبروں کی گویا اور فطرت کی خاموش زبان سے آگاہ کر دیا اور جہلا دیا کہ سلسلے میر سے ہندو آؤ میر سے پاس آؤ یہ نعمتیں تمہیں میر سے یہاں ملیں گی لیکن غفلت بڑی پروائی جب دروازہ تک بھی رسا ہونے دے تو دربار شاہنشی کی ہار پائی کس طرح حاصل ہو۔ اگر اسکی تلاش میں تمہاری رفتار صحیح ہو اگر غفلت و بے پروائی کی رہزنی سے تم سچ نکلو تو دربار کربائی میں تمہاری رسائی ہوگی۔ اور راحت و آرام اور جمعیت خاطر کا آفتاب جبکی شعاعیں تم تک پہنچتی ہیں تمہیں دکھائی دیگا۔ اور تمہارے ایمان کی آنکھیں کھل جائیں گی اسکی راہ عقلاً تو پا کر ہے اور مذہباً کھو کر۔ پا کر پانا۔ یعنی مقاصد کے حصول پر جمعیت خاطر ہونا تو محال ہے یوں کسی نے پایا نہیں اور کھو کر پانا پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی پائے۔ یعنی مذہبی ہی رفتار سے رسائی ہوگی اگر چلو۔ درگتج۔ **هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ**

**نمبر ۱۲**۔ اے طالب! جن انھوں سے معلول کو دیکھتا ہے او نہیں معلون کو بھی دیکھ یہ بھی کسی علت کے معلول ہیں جس طرح لاکھوں معلول چند علتوں کے کرشمے نظر آتے ہیں اسی طرح وہ ملتیں بھی۔ مگر چند علتوں کے اتنے کرشمے بدینی نظر آتے ہیں تو یہ بھی بدی ہی ہے کہ معلول زیادہ ہو اور علت کم۔ اگر علتوں کو بھی معلول سمجھو۔ اور ہی طرح سمجھو جاؤ تو کم ہوتے ہوتے ایک ایسی علت پر خیال کار کنا لازم ہے جسکی پھر کمی نہ ہو سکے اور وہ ایک ہے جسکی پھر کمی نہیں ہو سکتی وہی علت العلل ہے اور اسی کی یہ ساری نیزنگیاں ہیں **وَلَا تَرَى شَيْئًا إِلَّا لِنَسْتِمْ** **يَحْتَسِبُ**۔ (ہر چیز او سکی حمد کی تسبیح خوان ہے)

**نمبر ۱۵**۔ سب سے زیادہ یقینیات میں علم ریاضی کا شمار ہے تو اسکے ہر شاخے میں میرے دعوے کی دلیل ایسی مشاطظہ او قلیدس کو دیکھو۔ اسکے جتنی شکلیں ہیں وہ ساری خطوں کے بل بوتے پر ہیں۔ اگر خطوط نہیں تو اسکی ایک شکل بھی نہ بنے خط کیا ہے کہ نقطوں کے اجتماع

کی صورت کو یا نسط مجتمع نقاط سے جسے بنی خطائین ہر جگہ نقطہ وضع کیا جا سکتا ہے اور نقطہ کیا ہے تو «نقطہ» وہ ہے جسکے اجزا انون یعنی جسکی کوئی مقدار نہ ہو پھر وہ ہو کیا؟ یعنی جزو لا یتجزا اپنے سارے اوقلیدس کی بنا اس جزو لا یتجزا پر ہے جسکے وجود کی ہمائی نہ عقل ہی ہے نہ دہم ہے پھر ایسے وجود کے تو اسے کرشمے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے ہر کرشمہ میں چھپا ہوا ظاہر ہے اور دیا میں گویا سارے ایسا دون اور دریافتوں کی بنیاد ہے۔

انہیں اوقلیدس کی شکلوں سے سارے سارے اور ثوابت کا مفاصلہ ان کا بڑا چھوٹا ہونا۔ انکی تیزی رفتار وغیرہ امور دریافت میں آتے ہیں اور یہ ساری شکلین خطون میں سے بنی ہیں یہ خط کیا ہے خط ترا طول ہے بغیر عرض کے۔ کیا ایسے خط کا وجود ہے اور ہو سکتا ہے۔ ظاہر ا یہ فرض محال ہے نقطہ ایسا اور خط ایسا جنکا وجود اس عالم میں نہیں پایا جاتا پھر سارے اوقلیدس کی بنا جسکا شمار غایت درجہ تعینات میں ہے کس غیر مہوم نقطہ پر ہے اس نقطہ کو ڈھونڈو جو اوقلیدس کی جان سارے دوائر کا مرکز اور سارے خطون کی بنیاد ہے اس میں خدا کی نشانیاں ہیں انکے لئے جسکے دنگی تکھنن نور ہی علم ہندز کو تو توصل میں ایک عدد ہے جسین تعدد نہیں اور سارے اعداد اسی ایک کا ظہور ہیں چاہے بڑھ کر ہوں یا گھٹ کر ہوں ایک کا دس ٹکڑے کر دو تو ہر ایک ٹکڑے ایک کا دسوان حصہ ہو گیا یا ایک میں دس ملا دو تو وہ گیسارم ہی ہو گئے بارہ نہیں ہو سکتے مگر جب اکائی نہ تو وہ ہائی کا وجود نہیں ہو سکتا ایک نہ تو دس کہاں سے آئے گا دس کے تو معنی ہی ہیں کہ ایک دس دفعہ اور تنو کے معنی ہیں کہ ایک سو دفعہ علیٰ ہذا وہ ایک ہی جو سارے اعداد میں ہر اعداد اعداد اسی ایک کا ظہور ہیں ایک کا وجود نہ تو کسی عدد کا وجود نہوگا۔ پھر ایک کے ایک طرف ظہور ہے اور ایک طرف تشریح جو عدم نامہ ہے یعنی اگر ایک کے دائیں طرف صفر بڑھاؤ تو تعدد یعنی ظہور بڑھے اور اگر بائیں طرف صفر بڑھاؤ تو وہی ایک کا ایک نظر آئے یعنی ہر اعداد

یہ تخریب اور زطور کو دو نون اسی ایک کی صفت بنو کہ ہیں اب یہ ایک کیا ہے جو حقیقت میں  
 سب سے اعداد میں پوشیدہ اور ہر پوشیدگی میں ظاہر اور ہر ظہور اور انخفا میں وہ فی الحقیقت  
 اس طرح میسر ہے جو ظاہر اتمیز میں نہیں آسما۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اوس ایک خدا کی  
 جسکی شان اور وحدت ہر کثرت میں روشن ہے اور ساری جگہوں کی اسی ایک بیچون و بیچگون کی  
 شان وحدت کا کرشمہ ہے۔

**نمبر ۱۴** مر یا سے یون دیکھو کہ فطرتاً ہر کوئی ایک زبان بولتا ہے چاہے وہ  
 گرم ملک کا ہو یا سرد ملک کا گوئے چمڑے کا ہو یا کالے چمڑے کا تعلیم یافتہ ہو یا جاہل  
 گرامر یا صرف ٹھو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو مگر کوئی نہ کوئی زبان بولتا ضرور ہے۔ وہ فعل فاعل مفعول  
 مصدر حاصل مصدر کی اصطلاح جانے یا نہ جانے مگر یہ فطرتی قواعد مخصوصات زبان ایسے ہیں  
 کہ جس سے کوئی زبان مستثنیٰ نہیں اور اسلئے کوئی بولنے والا انسان نہیں جو ان قواعد کا عمل  
 نہو اب یہ حاصل مصدر جسے انگریزی میں ایبٹریکٹ فون کہتے ہیں اسے خیال کرو۔ بڑائی بولتا تو ہر کوئی  
 ہے مگر بڑائی ہے کیا چیز نہیں جانتا جو چیز بڑی ہے اُسے ہر کوئی جانتا اور دیکھتا ہے مگر جس بڑائی سے  
 بڑائی ہے وہ نہیں جان سکتا۔ اسی طرح سماعت وید قدرت و ہدایت کیا چیز ہے نہیں سمجھ جا سکتی  
 اور دانش سبھی دانشمند کہلاتا ہے مگر ہدایت دانشمندی کیا بلا ہے اسکا پانا حوس کی قدرت میں  
 نہیں ہے۔ ایبٹریکٹ فون کی یہ تعریف میں داخل ہے کہ الگ شے کو جو اس اُسکا اور اک  
 نہ کر سکے پھر اگر اُسکو سمجھنا چاہو تو صفات تفریحی کے دریا سے ٹاپید کنار میں جا پڑو گے جس میں  
 حیرت ہی حیرت ہے جس طرح اسکی توحید ہے کہ ان توحید اسقاط الاضافات اسی طرح اسکی  
 صفات بھی ہیں کہ وہ ہمارے سے نہیں ہر صفت اُسکی اسقاط الاضافات کے بعد تخریر کرنوالی  
 دکھائی دیتی ہے مثلاً ہماری سماعت لوگوں نے کہا کہ یہ ہوا کا موج ہے جو ہر ذریعہ اعضا سماعت

مسموس کرتا اور اُن تبدیلیوں کاوقوف حاصل کرتا ہے مگر پین کتا ہون کہ سماعت بھی ایک ہوتا رہے  
 کی تابرتی ہے۔ تمام خلا میں جو ایتھر بھرا ہوا ہے اسی قوت برقی موجود ہے اس تابرتی کے  
 ذریعہ سے یا اسی بے تار کی ٹیلیفون کے ذریعہ سے دماغ آواز کو سنتا ہو غرض کچھ ہو جو سماعت  
 بذرائع ہے وہ میری حسنت ہے اور جو بلاذرائع اور بعد اسقاط اضافات سے وہ اسکی صفت  
 ہے یہ وہی ایٹمیٹک نون ہے۔ جو اور اک سے باہر ہے یہی حال اُسکے ہر صفت کا ہو  
 چونکہ صفت ہر جگہ ہے اور اسی طرح ہے کہ عالم کو مجموعہ صفت ہی کہہ سکتے ہو اسلئے خدا کی  
 نشانیاں بھی ہر جگہ ہیں مگر پانے والے کے لئے۔ جسے اس راہ قدم مارا وہ بے ساختہ  
 دل میں یہی بول اٹھا ہے اے ہمہ قدرت لے ہمہ روح لے ہمہ دیداے ہمہ شنید لے ہمہ  
 شنید لے ہمہ محبت لے ہمہ صفت سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین  
 والحمد للہ رب العالمین۔

**تسمیہ** انسان بھی ایک عجیب راز سر بہتہ ہے بڑھا پنے کے پہلے جو ان تھا۔  
 اوس سے پہلے طفل نابالغ۔ اوس سے پہلے طفل شیر خوار بے ارادہ بے قدرت۔ اوس سے  
 پہلے شکم مادر میں تھا۔ وہاں اُسکی دنیا دوسری تھی۔ اس سے پہلے کہ اوسکی یہ صورت ہو اسی  
 بیڈیان نہ تھیں ہڈیاں بنیں۔ اوس سے پہلے وہ مضغہ گوشت تھا۔ اُس سے پہلے وہ منی کا کیرا  
 تھا۔ گویا اک آبی مخلوق تھا۔ یہاں اُسکی دنیا دوسری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اوس دنیا میں  
 نشوونما پائے قطرہ خون تھا اوس سے پہلے خدا۔ اوس سے پہلے وہ نہا تاتی عالم میں تھا  
 مقصد ہفتہ و قالب دیدہ است  
 پچو سبزہ بار بار و سیدہ است  
 اب یہی نہاتا انسان بھی کھاتے ہیں حیوان بھی دو دن کا خون ایک ہی غذا ہے۔ دو دن  
 کے بانے ایک ہی خون سے۔ اور دو دن کے کیرے ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں پھر دو دن

کے کپڑے دو طرح کے کیوں ہوتے ہیں انسان سے حیوان پیدا ہوتا ہے اور نہ حیوان سے انسان۔ خود انسان ہی کو دیکھو غذا ایک۔ خون ایک۔ منی ایک۔ پھر کپڑے عورت و مرد کے دو طرح کے کیوں ہوتے ہیں اور اس نسبت کے ساتھ کہ فطرتی مجبور یون کے سبب یعنی عورتوں کی پیدائش کی ضرورت فطرت کو ہے اُنہی عورتیں پیدا ہون اور جتنے مرد کی اُنہی مرد۔ اسپر بھی نہ ایک کارنگ دوسرے سے ملتا ہے۔ نہ ایک کی صورت دوسرے سے۔ وہ کون سی قدرت ہے جو اعتدال اور تیز کے ساتھ اور فطرتی ضرورتوں کے لحاظ کے ساتھ اس سرشت خلقت کو انجام دے رہی ہے اور وہ بھی اس مضبوطی کے ساتھ کہ کسی کے سرے بھی بڑنگ نہیں ہو سکتا۔ اور اس سلجھاؤ کے ساتھ کہ کسی کے اوجھائے بھی ایک دعاگ اور لچھ نہیں سکتا

لَا تَفِي ذَلِكِ لَآيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ بيشك اسين ذى عقل کے لئے نشانیاں ہیں

**نمبر ۱۰** پھر وہ نطفے اگر دوسرے کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں تو متحرک کون ہو اور جان کب آتی ہے۔ کمان سے آتی ہے۔ کس طرح آتی ہے۔ اس زمانہ خاص میں کون بھیجتا ہے۔ اور اگر جاندار ہیں یعنی روح کہیں باہر سے نہیں آئی بلکہ مختلف قابیون میں ہوتے ہوئے جمادات نباتات حیوانات سب عالموں کی سیر کرتی ہوئی انسان تک پہنچی۔ اور جس مادہ میں آئی پہلی بناوٹ کی رو سے اس سے افعال سرزد ہوئے۔ جمادات میں اسکا اور رنگ نباتات میں اور حیوانات میں اور۔ جیسے بانسری کی پھونک کہ پھونک ایک ہے مگر مختلف سوراخوں میں مختلف آوازیں بنتی ہیں۔ یا جیسے انجن کہ قوت ایک ہے مگر مختلف مشینوں میں اسکی صورت مختلف ہے **قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَمَلًا شَاكِرًا** (ہر کوئی اپنی بناوٹ پر کام کرتا ہے) ہر چہ باشد پھر بھی اس فوہینے میں جتنے مراحل ہوتے ہیں سب کا زمانہ اور سب کے مداح کس نے ترتیب دیے۔ پھر پیدا ہوتے وقت کا انتظام عجیب تو یہ کہ

عقل متیج ہو اور مضبوطیہ کہ اسی نظم کے ساتھ ہو تو ہو ورنہ نو آخر یہ کس کا کیا ہو جسے وہ ہر لفظ اور  
صورتے چون پری ہد کہ کرد است بر آب صور نگری بندے لوگو! جسے پانی پر ایسا نقش  
کھینچا جو کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتا جسے بے جان میں جان ڈالی اور جان میں عقل و  
تیرہ وہ خدا ہے وہ خدا ہی ہے۔ ساری قدرتیں اسی کو زیبا اور اومی کی ہیں اِنَّ فِي ذٰلِكَ  
لَاٰذَانَ لِّلرَّاسِخِیْنَ اِنَّ لَهٗ قَلْبًا وَّ اَلْقٰی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ بِشَیْءٍ مِّنْهُنَّ لَیِّنٌ  
ہے اُسکے لئے جو صاحب دل ہے یا کان لگائے دل سے متوجہ ہو کر بات کو مستجاب۔

**نمبر ۱۹** پھر انسان جب پیدا ہوا تو ایک دوسری گورنمنٹ اور دوسرے  
قوانین کا ماتحت ہوا۔ پہلے نہ بھوک پیاس تھی نہ ہوس و خواہشیں تھیں نہ اظہار مدعا کی صلاحیت  
تھی نہ زبان سے ناشائے سے نہ رو کر نہ صحت کے لئے حاجت ضروریہ کی حاجت تھی نہ  
چینے کے لئے صاف پانی یا تازہ ہوا کی ضرورت پیدا ہونا تھا کہ ساری ضرورتوں نے  
آگھیر اور فی زمانہ تو ایک ضرورت ڈاکٹر اور سیکیم کی بھی اضافہ ہو گئی ہے۔ پھر ایک  
مدت تک نمونہ کی کشش سے کھینچا گیا اور ترقی کے سانچے میں ڈھالا گیا۔ پھر ایک مدت تک  
قیام۔ پھر انحطاط۔ پھر موت۔ پھر کیرٹون کی غذا ہو کر اُن کا خون بنا۔ یا اجزائے ارضیہ میں  
ملکر نباتاتی صورت اختیار کی جس طرح کسی تخم کو لو اسکی فایت ترقی ہی ہے کہ پھل پھول کر وہ  
پھر تعدد و تخم کی صورت اختیار کرے۔ اسی طرح انسانی جسم بھی مر مٹ کر پھر خون کی صورت یا  
نباتاتی شکل میں آتے ہیں۔ یہ کمال ترقی تو جسم نے بعد مرنے کے حاصل کی۔ اب جسم کے  
حکمران روح کی طرف نگاہ ڈالو جس کی حکومت اتنی زبردست ہے جو کسی قومی سے قومی  
سلطنت میں نہیں ہو سکتی جسکے قوانین ایسے مضبوط اور مستحکم ہیں جس کا ایک متنفس باغی  
نہیں ہو سکتا۔ اتنا بڑا قدرت والا بادشاہ جسم کی علیحدگی کے ساتھ اس طرح فنا ہو جا کہ جسم تو

ترقی کرے اور یہ نابود ہو جائے گویا روح کے لئے یہ سہم ہی جان تھا کبھی کوئی عقل سلیم اسے  
 تسلیم کر سکتی ہے۔ سنا ما خلقت ہذا ابا طلالہ پھر اگر نابود نہیں ہے تو عقل تیا لگا کر  
 کمان ہے کس حال میں ہے۔ وہم و گمان کے قلعہ بود و باش کے کام کے نہیں ہوتے۔  
 تو جس طرح عالم اجسام کی سیر سے ہم کا پتا چلتا ہے اسی طرح عالم ارواح کی سیر سے روح کا  
 پتا چلے گا۔ اب اگر اس عالم میں تمھاری پرواز ہو چکی ہوئی ہو تو ہونچکر دیکھو۔ اور اگر عجز ہو تو  
 اس عالم کے سیاح سے پوچھو۔ اگر متعدد شہادتیں ملین تو تمھیں جھٹلانے اور اٹھار کا کوئی  
 حق نہیں ہے۔ اون سیاحوں کا دلیل مشاہدہ اور اس پر نبر تو اثر شہادت و دعویٰ کے لئے  
 کافی ہے۔ اور ایسی ہی دلیلوں پر کاروبار عالم وابستہ ہے۔ صرف یہ کہنا کہ سمجھ میں نہیں آتا  
 یہ سمجھ کا قصور ہے۔ مثلاً اگر کسی نے مچھلیاں تو کھائی ہوں مگر مچھلیوں کو دریا سے نکلنے نہ دیکھا  
 ہو اگر سیکڑوں ہزاروں ماہی گیر جنگلی کم سے کم صداقت مانی ہوتی ہو یہ شہادت دین کر یہ عالم  
 آب کی مخلوق ہے۔ پانی میں رہتی وہیں دیکھتی سنتی کھاتی پیتی جیتی مرتی ہے تو جو اسے نہانے  
 اسے جغرافیہ علم طبی فلکیات اور اتنا تو یہ کہ علم ہندسہ پر بھی یقین کرنا اس وقت تک کہ وہ  
 اون علوم کا موجد کی طرح تجربہ کار ہو اور انکو مشاہدہ کی کسوٹی پر کس نہ لیا ہو دشوار ہو جائیگا۔ بلکہ  
 سائے کاروبار بند اور درہم دبرہم ہو جائیں گے اسلئے پیغمبروں کی یہ شہادت دینی کہ جس طرح  
 اجسام عالم اجسام کی مخلوق ہیں نباتات و اجنہ عالم برزخ اور خیال و اوہام کی مخلوق ہیں اسی طرح  
 روح اور فرشتہ عالم ارواح کی مخلوق ہیں۔ اور ہر مخلوق کو اپنے عالم کی مناسبت کے ساتھ  
 قوت و قدرت پائیزگی اور لطافت حاصل ہے پھر جس طرح جسم بعد مرنے کے معدوم نہیں ہوجاتا  
 اسی طرح روح بھی معدوم نہیں ہوجاتی۔ بلکہ روح اپنی صورت برزخی کے ساتھ نفس جسمانی  
 میں محبوس ہے۔ مرنایہ ہے کہ روح جسم چھوڑ کر اپنی صورت برزخی میں رہ کر عالم برزخ میں ہے

جس کا نام قبر ہے دَمِیْتٌ وَرَا حَمْمٌ ہرگز کلمہ الی یوم یبعثون پھر ایک دن وہ اپنے بنانے والے خلاق عالم عادل منتقم رحمن ورحیم قادر وقیوم کے سامنے حاضر ہوگی اپنی ودیعتوں کا جائزہ دیگی جیسا کچھ اوسنے کیا ہے ویسا بھگتیگی اور جیسے تخم بوئے ہیں ویسے پھل کاٹے گی۔ پھر کیا عقل کا یہ امتضا ہے کہ چند جھوٹوں کے کہنے پر تو اپنے مان باپ کے مان باپ ہونے پر یقین کرو اور ایسی شہادتوں پر جس پر دنیا نے کبھی جھوٹ کی تہمت نہ لگائی تھیں یقین نہ آئے افسوس کی بات ہے پھر کیا یہ سائے انتظام لطیف ترا و مضبوط تر عقل میں آتے ہیں یا جنکا عقل پتہ لگاتی ہے یا جنکی متحدہ سچی شہادتیں ملتی ہیں اوس منظم حقیقی کا نشان نہیں دیتے کیا وہ از سربتہ انسانی سما کے ہر ایک گرہ کھلنے سے نہیں کھٹا جاتا قیامتی حَسَدٌ یثِبُّ بَعْدَ لَا یُؤْمِنُونَ ۵ (تو اب اللہ اور سبکی آیتوں کے بعد آیا کون سی بات ہوگی جسے سنکر یہ لوگ ایمان لائیں گے) کیا تمہیں ان سائے کرشموں سے اوس خداے یکتائی کی یکتائی کی دلیل نہیں بھجائی دیتی کیا تمہاری روح بھی اپنی اپنی حقیقت کی طرف تمہیں رسانیں ہونے دیتی دینی انْفِیْسِکُمْ اَفْلا تَنْبَصُرُونَ (لوگو خود تم میں بھی پتو کیا تم کو سوجھ نہیں پڑتا) لے یعنی آدم! اپنے صفات محدود سے صفات غیر محدود کو اور صفات غیر محدود سے اُس ذات بچھون دیجھون کو پہچان۔ سائے ظہور سے ظہور صفات کو اور ظہور صفات سے تجلی ذات کو دیکھ اور فرق مراتب کا عرفان حاصل کر۔

نور ربانی کے ظہور و تجلی سے اسکی کوئی صفت بڑھی نہیں نہ وہ کم تھا کہ پورا ہوا اور نہ وہ ناقص تھا کہ کامل ہوا۔

ظہور ہے کیا ۹ یہ نام ہے صفات ترکیبی محدود کا یعنی چند صفتوں کو ایک دوسرے پر میز کرنا۔ اور پھر آپس میں مرکب اور محدود کر دینا۔

اور محدود کرنا کیا ہے؟ یہ قدرت انتزاعی یا صفت اخفا یا حجاب کے جلوہ آرا ہونے کا نام ہے۔

ذات مطلق کی دو صفتیں یاد و شائین ہیں وجود و عدم یعنی ظہور و اخفا۔ دونوں کے مرکب اور محدود کرنے سے صفات مثبت اور منفی بنے یہی شان مخلوقی ہے جو مخلوق میں پائے جائینگے والا اولیٰ ذات الآن کماکان ہے۔ اور اُسکے صفات بسیط بھی الآن کماکان ہیں۔

مثلاً کسی کاغذ میں خود مڑ مڑ کر خطوط نظر آئیں اور ان خطوط سے نمائشی تصویریں نمایاں ہوں۔ دیکھنے کا پتھر ہے کوئی ان تصویروں کو عدم وجود نہا کرتا ہے اور کوئی وجود عدم نہا جس نے وجود کو اصل سمجھا اور نمائش کو عدم اوسنے وجود کی طرف نگاہ کی اور وجود کی طرف رجوع کیا۔ اور جس نے عدم کو اصل سمجھا اور نمائش ہی کو وجود اُسے نمائش کی طرف نگاہ کی اور نمائش کی طرف رجوع کیا۔ اسلئے وہ بول اٹھا کہ وہی وہ یعنی وجود ہی وجود ہے اور یہ بول اٹھا کہ یہی یعنی نمائش ہی نمائش ہے اور بس۔ وہ اسلام جو اور یہ کفر۔ اگر توحید کا دقت رکھو لا جائے تو کائنات کا دقت بھی گنجائش نہ کر گیا ہے کہ

از زمین روید بہ وحدہ لا شریک لہ گوید بہ یہ وہ دریاے ناپیدا کنار ہے جسکے تیرا کسے  
یہ تو تھاہ پائی نہ ساحل تک پہنچاے درین و رط کشتی فرو شد ہزار بہ کہ پیدا نہ شد  
تختہ بر کنار بہ اگر چہ ہر ایک ذرہ دقت معرفت ہے مگر باوجود تفصیل کے بھی اجمال ہی اجمال  
ہے تفصیل کی گنجائش ہی کمان ہے۔ ہر اجمال تفصیل ہے اور ہر تفصیل اجمال۔ وَ لَوْ اَنَّ  
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اَوْ قَلَمٍ اَوْ اِلْمٍ وَ الْبَحْرِ مِمَّا دَا مِنْ بَعْدِ لَا سَبْعَةَ اَبْحُرٍ  
مَا نَعِدُكَ سَكِيَاتٍ اَللّٰهُ (اور اگر بھٹنے کچھ درخت زمین میں ہیں سب قلم ہوں

اور سندر سیاہی ہو من بعد سات اور سندر بھی اسکے معاون ہو جائیں جب بھی خدا کی آہن تمام نہون گی۔)

خدا ہے اور بیشک ہے یہ تو اتنا بین مسئلہ ہے جسکے لئے دلیل کی حاجت نہیں۔ جیسے روز روشن کے لئے جنھیں آنکھیں ہون دیکھ لیں۔ اسی طرح ہر ایک شے میں خدا کی خدائی کا ظہور آفتاب سے زیادہ روشن ہے دن کو بھی اور رات کو بھی۔ جو خفاش فطرت ہیں وہ تو دیکھ ہی نہیں سکتے جن کی دید کمزور ہے وہ غایت ظہور کے چکا چوند میں پڑے ہیں۔ سَأْتِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَسَاءَلُوهُمْ أَنَّهُمُ الصَّحْقُ (سو معقرب ہم ان لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا کے اطراف میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے درمیان میں بھی کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ برحق ہے) میری تقریر صرف سمجھ سے نہیں عرفان ایقان سے ہے۔ ابتدا میں سمجھ محرک ہو جاتی ہے۔ اور ایک منزل تک رسا ہو کر تھک جاتی ہے اصل میں اس راہ کا ہر و ایمان ہے سمجھ کا کام مذاق پیدا کرنے کے سوا آگے نہیں چلتا اس مذاق نے اگر ایمان میں تحریک پیدا کی جسکا نام طلب و محبت ہے تو کامیابی ہے مَرَجَ مَكَانَ رِيحٍ حَيَّوْا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ (جسکو آخرت میں اللہ سے ملنے کی امید ہو تو اسکے لئے تیاری کرے کیونکہ خدا کا ٹھہرایا ہوا وقت ضرور آئیگا) اسے) و رہو بہتر سے اس راہ میں ماے بھی پڑے۔ سمجھ پر قناعت کی تو سمجھ تھک کر بے سمجھی سے بول اٹھی کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک چیز خدا ہے نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا یہ تو شان الحماہ و زنیقیت ہے ایمان و عرفان کی آنکھیں جب کھلتی ہیں اور عظمت جلال کبریائی کا چتر جب کھلتا ہے تو ع ہر گز کہ سلطان نیمہ زو فو غا نساند عام را ❖

کاون کی شنوائی رہتی ہے نہ زبان کی گویائی اک شوق کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں اور  
 بے خودی کی نظر۔ پھر ہوش و حواس کمان۔ جب ذرا تحمل و برداشت سہارا ہوتا  
 اور مریض عشق سنبھالا لیتا ہے تو اسے صاف نظر آتا ہے کہ خدا خدا ہے اور مخلوق  
 مخلوق۔ لیکن نہ کوئی چیز خدا سے جدا ہے نہ خدا کسی چیز سے جدا۔ نہ کوئی چیز خدا کی غیر ہو  
 نہ خدا کسی چیز کا غیر لاکھین دکلاخیں کجاہستی کجاہستی۔ کجا خالق کجا مخلوق۔ کوئی چیز  
 خدا نہیں ہو سکتی نہ خدا کوئی چیز ہو سکتا ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَ قَدُّهُ وَسُكْرُهُ**  
 اگرچہ ذات پاک کبریائی کی مثال کیا ہو لیس **كَيْفَ شَاءَ شَيْءٌ مِّنْ شَيْءٍ** مگر مثال سمجھنے سمجھانے  
 کے لئے ہے۔ اس غرض سے **مُضَانِقَةٌ نِّمِينَ وَ لِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ بَشَرًا مِّثْلًا** ایک  
 بے تھاہ سمند کی مختلف موجوں کی مختلف صورتوں کو دیکھو۔ پھر ان صورتوں کے  
 آپس میں ملنے اور ٹکرانے سے جو تصویریں بنتی جائیں انہیں خیال کرو۔ اب جو  
 تصویریں تمہیں دکھائی دیتی ہیں نہ وہ تصویریں سمندر ہیں نہ سمندر وہ تصویریں مگر  
 وہ تصویریں نہ سمندر سے جدا ہیں نہ سمندر ان تصویروں سے **وَسَخْنٌ أَقْرَبُ إِلَيْهِ**  
**مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (اور ہم اسکی شدت سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔)  
 کوئی ذرا ان تصویروں کا ایسا نہیں جسکو سمندر محیط ہوا **إِلَّا أَنَّهُ بِحَبْلِ شَيْخٍ مُّجْبَطٍ**  
 (سنو جی خدا ہر چیز پر حاوی ہے) وہ تصویریں بے سمندر کے نہیں اور نہ ہو سکتی ہیں  
 ہاں وہ سمندر بے ان تصویروں کے تھا بھی۔ ہے بھی۔ رہیگا بھی۔ اور ان تصویروں  
 سے بے نیاز بھی ہے **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ** (وہی اول جو  
 وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن) ساری قوتیں اور ساری قدرتیں ساری عظمتیں اور ساری  
 جلالیتیں۔ سارا ظہور اور سارا بطون۔ سارے عجائبات اور ساری نیرنگیان تو اس

سمندر کی بین تصویروں میں بجز ہوا سے خودی کے خاک کبھی نہیں۔ اور انکی حقیقت بجز  
 نقش بر آب ہونے کے کچھ بھی نہیں۔ اگر کوئی تصویر یہ سمجھے کہ میں ہی ہوں اور ساری  
 قدرتیں مجھ میں ہی ہیں تو افسوس نسوا اللہ۔ فَاَنْسَلَهُمْ اَنْفُسَهُمْ (جنہوں نے  
 خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انکی ایسی مست ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے) یا کوئی تصویر ایک  
 دوسرے کو یا تصویروں کی یہ کثرت دیکھ کر یہ سمجھے کہ بس تصویریں ہی تصویریں ہیں اور  
 عالم انھیں مرقوم کا نام ہے تو اس پر حریف ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرًا (جیسی  
 قدر اللہ کی جاننی چاہئے تھی ویسی اسکی قدر نہ جانی) کاش یہ غوطے لگا کر سمندر کے  
 سکون کا عالم اور اس کے خزان اسکی نعمتوں اور کیفیتوں کو دیکھے تب اپنی اور اپنے  
 ابنائے جنس مخلوق کی ہستی کو سمجھے۔ پھر جو لوگ ان تصویروں کی نمائش اور کٹھ پتلیوں  
 کے تماشے میں ہے وہ محیس الدنیا والآخرۃ کا ہر طرح محروم ہے۔ اور جنہوں نے  
 تصویروں سے چشم پوشی کی۔ اونکی دلفریبیوں میں نہ آئے اور انھیں حقیقت میں آنکھوں  
 سے دیکھا کے۔ یا خود اپنے آپ میں فکر و تجسس کی نظر ڈالی فَقَدْ قَاذَرُوْا مَرًا عَظِيْمًا  
 (تو نسنے بڑی کامیابی حاصل کی) جہاں تصویریں نہیں سمندر ہی سمندر ہے۔ پھر جو سمندر  
 میں جلا پڑے وہ فنا ہو گئے ہاں جو خواص طبیعت ہیں دُرُ بے ہمانکے لئے ہے یہی فنا ہے  
 یہی بقا ہے یہی ہجر ہے یہی وصل ہے۔

پھر جس طرح وہ تصویریں دریا کا ظور ہیں یعنی دریا کی بعض صفتیں محدود صورت میں  
 اُن میں نظر آتی ہیں اور جنہوں نے تصویریں آپس میں ملتی ہیں اور مرکب ہوتی جاتی ہیں اتنی  
 ہی تصویریں اور شکلین پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ سارا عالم اسکے بعض صفات کے محدود  
 اور مرکب صورت کا ظور ہے۔ پھر جس طرح آئینہ میں عکس آئے گا تو خط و خال کا بھی اسی طرح

ظہور صفات میں صفات اختیار بھی داخل ہے جو بعد ظہور محدود صورت میں ہے اور اسلئے اپنی حد سے ماہر مجبور ہے۔ اسی لئے وہ تصور پرین اگرچہ نقش بر آب ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں مگر ایک حد تک مجاز و کھائی دیتی ہیں اور ایک حد تک مجبور لاجسہم و لا تقویض و لکن امر بین الامرین ہے (نہ تو جبری ہے نہ اختیار ہے بلکہ بات بین میں ہے) یہ ان کا بجزو اختیار بہرہی بھی ہے اور واقعی بھی بغرض سمندر کا عجیب عالم ہے۔ یہاں تو امواج در امواج ہیں۔ اور موجوں کے بے تحاشہ تلوینات اور کرسٹے کہیں کھولتے بھنور ہیں تو کہیں خشک فرحت افزا لہریں کہیں جلال کے جوار بھاٹے ہیں تو کہیں جمال کے سکون و اطمینان یعنی جلال و جمال دونوں صفات ہیں اور دونوں کا ظہور ظاہر ہے۔ رنج و مصیبت جلال کی شانیں ہیں تو راحت و آرام جمال کی شانیں۔ تمہیں اختیار دیا گیا ہے چاہو جلال کے بھنور میں جا پڑو اور ہلاکت کے جہنم میں گرفتار ہو کر مجبور ہو جاؤ چاہو جمال کے خوشگوار اور زندگی بخش لہروں کی بہار لو تو اور عیش و تنعم کی بہشت میں بار بار ہو کر بے غمی و آزادی حاصل کرو جنت و جہنم تو اسکے دو صفوں کے دو ظہور ہیں۔ اُسے کسی کو ظلماً جہنم میں نہیں بھیجا تم آپ اپنے اختیار سے گئے آگ کا کیرا آگ میں اور پھول کا کیرا پھول میں۔ تم اگر خود بھنور میں جا پڑو اور رنج و مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو اُسکو کیون نام دھرو۔ اُسے تو راہ دان رہو بھیج کر تمہیں ہزار طرح جتلا دیا کر دیکھو یہ راہ پر خطر ہے اور یہ راہ امن کی وھو بسینھم الجحدین۔ پھر اگر تم نے زمانا تو اوس کا کیا لیا۔ اُسکے نزدیک تو دونوں ظہور ہیں جیسا وہ ویسا ذہ۔ دریا کے نزدیک تو جیسا اُسکا بھنور ویسی اوسکی لہر و ماژنات بظلالہم للعیبید (اور تمہارا پروردگار تو بزرگتر مطلق ظلم نہیں کرتا) یہاں پر کسی قدر جنت و جہنم کے نسبت بھی گفتگو آپڑی کیونکہ مجھے

ضروری معلوم ہوا کہ جب توحید کی مثال بنا دی گئی تو سمجھ یہ دعویٰ کا نہ کھائے کہ چلو جنت و  
 جہنم سے فراغت ہوئی کیونکہ یہ دونوں بھی سمندر ہی کی تصویرین ہیں مگر نہیں تھیں جب  
 مصیبتوں کی حس ہے اور تم کسی طرح اُن سے بے پرواہ نہیں ہو سکتے تو تھیں سمجھنا اور  
 یقین کرنا لازم ہے کہ یہ رنج و آلام تھیں اُدسے بھنور اور لہروں کے وجود سے مطلع و  
 آگاہ کرتے ہیں۔ اگر تم نے آگاہی حاصل کی اور اُدسے نظر ناک بھنور سے بچ نکلے تو  
 نجات حاصل کی ورنہ اس سے غافل اور بے پرواہ رہنا ایک دن تھیں مزہ چکھا بیگا۔  
 یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (اوس دن  
 مال ہی کام آئیگا دڑکے ہی مگر بان آسکی نجات ہوگی جو پاک دل لیکر خدا کے حضور میں  
 حاضر ہوگا) چونکہ اس وقت موضوع تقریر نہ یوم آخرت ہے نہ جنت و جہنم اسلئے مجھے اس  
 مادہ میں زیادہ کہنا بھی نہیں ہے قَدْ جَاءَكُمْ بُصَاةٌ مِنْ رَبِّكُمْ قَدْ لَمَسَ ابْصَارُكُمْ  
 فَلَنْ تَنْصُرُوهُمْ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا (لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے دل کی آنکھیں تو  
 تمہارے پاس آہی چکی ہیں پھر اب جو دیکھے اور سمجھے تو اُسکا نفع اوس کی ذات کو ہے  
 اور جو دیدہ و دانستہ اندھا ہو جائے تو اُدسکا وبال بھی اُسکی جان پر) اسلام کا دعوے  
 یہی تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وہ ہر طرح عقل سے فطرت سے مثال دے کر ثابت  
 کیا گیا سمجھایا گیا مگر یہ کلمہ مذہبی نگاہ سے اور وہ بھی اسلامی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ مجھے  
 اسکو دکھانا ہے کہ دعویٰ اسلام نے اس کلمہ توحید سے مذہب کیا سمجھایا ہے اور کیا مراد  
 رکھا ہے تاکہ ایک مشہور سوال اور غلط جو پیدا ہوتی ہے وہ بھی رفع کی جائے۔ وہ یہ  
 کہ یہ کلمہ توحید بمقابلہ یہود و نصاریٰ مشرکین و کفار عرب کے بنی عربی علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام نے فرمایا حالانکہ یہ تو سب کے سب ایک ہی خدا کے ماننے والے تھے

پھر تو دید و نفی کس بات کی کی اور تعلیم و ہدایت کس امر کی۔

یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب ٹھہرے اسلئے توریث و انجیل منزل کے مطیعوں کے یہاں کا کھانا اور ادکلی عقیقہ پاکہ امن عورتوں سے نکاح کرنا جائز قرار پایا۔ اور مشرکین عرب بت پوجتے تھے یا آفتاب یا اور چیزیں آخر کار اہل کتاب اور موجدین نے توحیدین بہترے شانسانے کھڑے کئے۔ یہود حضرت زبیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگ گئے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مشرکین عرب بھی اوس ایک خدا کے منکر نہ تھے ایک خدا کے مقرر تو وہ بھی تھے۔ مگر پریش توں کی کرتے تھے۔ توں کو یہ خدا نہ کہتے تھے اُن کا خیال تھا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبَنَا إِلَى اللَّهِ رَبِّنَا (ہم تو انکی پریش صرف اسلئے کرتے ہیں کہ خدا سے ہم کو نزدیک کر دیں) وہ سمجھتے تھے کہ هَذَا شَفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللَّهِ (یہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کریں گے) اگر ان سے پوچھو کہ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ سَلَيَقُولُونَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ آسمان و زمین کس نے بنائی؟ تو یہ کہیں گے خداے غالب و دانلے یعنی وہ خداے غالب و دانپرتو ایمان رکھتے تھے مگر وہ خدا کا سا بھی ٹھہراتے تھے۔ توں کو بطور معبود مانتے اور اُوںکی عبادت کرتے تھے یعنی وہ خالق تو ایک مانتے تھے مگر معبود بہترے۔ اسلئے نبی امی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی تردید کی۔ سب کے عقائد کی تصحیح کی اور سب سے مخاطب ہو کر فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی معبود ایک خدا ہی ہے۔ نہ غیر مستحق عبادت ہیں مسیح۔ نہ بتان عرب۔ کوئی بھی خدا کے سوا مستحق عبادت نہیں۔ اسے مشرکوں نے نہ مانا اور تعجب سے بولے اجْعَلِ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَاب (یہ رسول عربی تو اتنے معبود کے بدلے ایک معبود

بتاتے ہیں یہ تو عجیب بات ہے) کبھی کہتے آجِ مَتَنَا لِعِبَادَةِ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا وَنَدَّ سَمَا  
 مَآكَاتِ يَعْهَدُ أَبَا سَخَاتَا (اے رسول! کیا آپ ہمارے پاس اسلئے آئے ہیں کہ ہم  
 ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے آباؤ اجداد جنکی عبادت کرتے تھے انہیں چھوڑیں  
 اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خالق ایک ہی ہے اور اُسکے ماننے والی اوس کی  
 ساری مخلوق ہے۔ اور یہ ضرورت آب و طعام کی طرح اُسکے ماننے کی محتاج معلوم  
 ہوتی ہے گویا خدا کا ماننا بھی ایک گونہ فطری معلوم ہوتا ہے۔ چاہے اُسکی صورتیں  
 مختلف ہوں۔ یا اوسکا نام مختلف ہو۔ اس لئے کلمہ توحید اسبات کی تردید ہے کہ سوا سے  
 خدا سے واحد کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس معبود واحد کے صفات مخصوص یعنی صفات  
 واجب یا صفات بسیط کو کسی دوسرے میں نہ مانو۔ اُسکی قدرتوں میں کسی کو شریک کر کے  
 دھیان کو نہ بانٹو۔ اوسکو جزو معطل سمجھ کر اوسکی قدرتیں دوسروں میں تسلیم نہ کرو کسی  
 دوسرے کے آگے سر نہ جھکاؤ کسی دوسرے کی عبادت چاہے جس غرض سے ہو  
 ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ معبود تو وہی ایک اللہ ہے۔ کسی دوسرے کی عبادت کرنا شرک و کفر  
 ہے۔ اور یہی عبادت چاہے تو لا ہو چاہے فعلاً۔ چاہے عقیدتاً۔ کفر و شرک تسلیم کی  
 گئی ہے یا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (اے اہل کتاب حق کو  
 باطل کے ساتھ مایا میٹ کیوں کرو۔)

اے یہود و نصاریٰ! خدا کا بیٹا قرار دیکر تم خدا کو گالیان کیوں سُناتے ہو؟  
 جسے تم اوسکا بیٹا قرار دیتے ہو وہ سب فانی تھے فنا ہوئے۔ مرنے والے تھے  
 مرنے والے ایک خدا کی عبادت کرو۔ اوسی ایک کی طرف جھکو جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ  
 بیگا رہی معبود ہے اور وہی عبادت کئے جانے کا مستحق یا اَهْلَ الْكِتَابِ

لَمْ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ

لے مشرک! وہی ایک خدا ہے جو موجود ہے جو موجود ہے اسی کے لئے وجود ہے۔ وہی قادر و توانا ہے۔ اسی کے لئے قدرت و توانائی ہے۔ وہی سچی عبادت ہے جس کا وہ تو سر اس کے آگے جھکاؤ۔

سائے تھائے محبوب و مضمیٰ ہیں۔ تھائے مصنوعی ہیں۔ تم سے بھی زیادہ مجبور ہیں انکی پریشانی کیونکہ جنہیں ایک ذرہ کے سفید و سیاہ کرنے کی بھی قدرت نہواقتہا دینا اللہ یَبْغُونَ وَ لَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَ تَكْرُهًا أَلِیْرًا یَرْجِعُونَ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا (کسی اور دین) کی تلاش میں ہیں حالانکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں چار و ناچار اسی کے حکم پر ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کے مننے ہیں زبان سے اور دل سے اس کا یقین کرنا کہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور علی اس کا ثبوت بھی دینا۔ تاکہ دعوے بے دلیل باطل نہ ہو جائے۔ پھر کیا جسمانی اور کیا دلی جو عبادت ہو وہ خدا ہی کی اور کفر و شرک کے مننے یہ ہیں کہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بناؤ خدا کے صفات سے بیٹھ کر جو اسی کے ساتھ مخصوص ہیں کسی دوسرے میں تسلیم کرو۔ اور خدا کے سوا کسی دوسرے کے آگے جھکو اور ظاہر ہے کہ جو غلط راہ چلیگا وہ گھٹاٹا اٹھایگا ٹھوکرین کھائیگا اور اپنے نیچے کو پہنچے گا۔

هَذَا بَلِغٌ لِلنَّاسِ وَلَیْسَ نَزْدُ اِیْہِمْ وَ لَیَعْلَمُوْا اَنَّہُمْ اَوْلَیٰہِ وَ اِحْسَدٌ  
وَ لَیَنْتَقِرْنَ اَوْ لَوْ اِلَّا الْاَلْبَابُ ہر یہ لوگوں کے لئے ابلاغ ہے تاکہ اسکے ذریعہ سے  
اون کو ڈرایا جائے اور تاکہ سب جان لیں کہ بس معبود وہی ایک اللہ ہے اور تاکہ وہی قتل  
نصیحت حاصل کریں۔)

# رسالت

دوسرا سلسلہ رسالت ہے۔ محمد رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں حضرت سیدنا و مولانا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ یہ ہے کہ میں خدا کے احکام اور خدا کی ہدایتیں اُسکے بندوں کے پاس لایا ہوں تاکہ لوگ ہدایت پائیں۔ اور اپنے مالک کو پہچانیں مَا كَانَ لِيَشِيرَ اَنْ يَكْلِمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ اَوْ رُسُلًا سَوَّاهُ فَيُوحِي بِاِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۝ یہ بندوں کی شان نہیں ہے کہ خدا بندوں سے خود کلام کرے مگر یا تو وحی کے ذریعہ سے یا پر وہ سے۔ یا رسول بھیج کر۔ پھر جو چاہتا ہے وہ رسول پر وحی بھیجتا ہے

اس لئے جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ میں خدا کے احکام خدا کی ہدایتیں اور خدا کی بھیجی ہوئی وحی یعنی قرآن مجید لایا ہوں اور بذریعہ رسالت یعنی افعال و حرکات و سکنات او سے برت کر دکھانے آیا ہوں۔

اے خدا کے بندو! او کی طرف دیکھو اُسکی سنو وَمَا يَكْتُمُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ مُّوْحٰى۔ وہ کچھ خواہش نفسانی سے کلام نہیں فرماتے وہ تو وحی خداوندی لائے ہیں اُسکی روش پر چلو مَنْ يَطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ ۝ جس نے رسول کی اطاعت کی اُسنے خدا کی اطاعت کی حقیقت اس سلسلہ کی سمجھنا اور رسالت محمدی تک پہنچنا تو نظام عالم کے اسی طرح سمجھنے پر موقوف ہے جس طرح وہ ہے اور نظام عالم کا سمجھنا تو حیدہ عرفان کے انکشاف پر موقوف ہے اور انکشاف اتم موقوف ہے عروج و نزول کے مدایج طے ہونے پر اور عروج اک پافت ہے کھو کر۔ اور نزول اک یافت ہے ہر

یافت کی منزل سجد کے نینے سے اعلیٰ اور رفیع تر ہے اور تقریر و تحریر کا احاطہ سمجھ کے اندر ہے۔ پھر او سکی تقریر کرنا اور اس تقریر کو ضبط تحریر میں لانا کچھ فریاد کی کوہ کنی نہیں ہے جو ایک دن انجام کو پہنچ سکتی ہو۔ اسلئے یہ ہر شخص کی خوراک بھی نہیں۔ نہ ہر حافل کی نہ ہر سادہ کی۔

اگر مسئلہ توحید پر بہ مداح تمہارا عروج ہوا ہے اور اگر اس کے تصور کے مراتب تمہاری یافت نے طے کے ہیں اور اس طرح توحید باہمہ عروج و نزول گما ہو تم پر۔ منکشف ہوئی ہے تو رسالت کا نور تمہاری آنکھوں اور تمہارے دلوں میں چمکتا ہو گا اور سلامی اسرار تم پر کھلے ہوں گے۔ تحریر و تقریر کی حاجت نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس مسئلہ کی نسبت بھی مسئلہ توحید کی طرح اوجھن حد و حد کے اندر پرواز کرنا لازم ہے جہا تک عقل و سمجھ کی پرواز کی حد ہے۔ اسلئے مجھے بھی اوجھن باتوں سے تقریر کرنا لازم ہے جس کا دعویٰ حضور نے فرمایا ہے یعنی یہ کہ قرآن خدا ہی کا کلام ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و حرکات و سکنات بھی انکی رسالت کی زندہ اور گویا شہادتیں ہیں۔ صرف شہادت قرآن جسکا بیان حقانیت قرآن میں آپ کا کافی شہادت ہے۔ جسکا ہر لفظ ہر کل اور ہر جملہ آپ کی رسالت کی گواہی دے گا مگر میں توڑی سی تقریر اسکے علاوہ بھی کیا چاہتا ہوں۔ اور یہ دکھا چاہتا ہوں کہ جس طرح فطرت اسکی مقتضی ہے کہ رسول آئین اور اپنی حکومت خلیفۃ اللہی جاری کریں۔ اسی طرح فطرت اسکی بھی گواہی دے رہی ہے کہ حضور پر رسالت ختم ہوئی اور حضور کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا کیونکہ فطرت کی ضرورت پوری ہو چکی۔

**نمبیا** انسان فطرتی طور پر دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم دوسری روح

جس لینے والے نے جسم دیا اسے نظم عالم بھی یوں ہی قرار دیا کہ آرام و حفاظت جسمانی کے لئے اونٹین میں سے ایک کو بادشاہ بنایا۔ جسے جان پر کھیل کر اور مصیبتیں جھیل کر نعمات حاصل کئے۔ پھر امن قائم کیا۔ پھر امن قائم رکھنے کے لئے قوانین بنائے۔ پھر اُسکے نفاذ کے لئے سامان مہیا کئے۔ یہ جسمانی سلطنت ہے جسکے کیا کچھ کرشمے نہیں پائے جاتے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ جابر سے جابر بادشاہ کا بھی تصرف صرف جسم ہی پر چلتا ہے۔ جو خود روح کا محکوم ہے۔ اور روح پر اُسکا کوئی تصرف نہیں چلتا اور زچل سکتا ہے۔ پھر کیا عقل کا اقتضا ہے کہ جسم جو خود فطر تا کسی اور کی رعایت ہے اوس پر حکومت قائم کرنے کے لئے تو اتنے فصیح کچھیلے مول لئے جائیں۔ اور روح جو اصل بانیِ بانی ہے اور بذریعہ جسم کے خود سیاہ و سفید کر نیوالی ہے۔ وہ آزاد اور مطلق العنان چھوڑ دی جائے اور اُسکا کوئی نظریہ کیا جائے۔ اسلئے منتظم فطرت کو لازم تھا کہ اوسی جنس سے ایک بادشاہ روحانی بھی بھیجے جو روح کی تعلیم و تربیت اور روحانی کیفیات و جذبات کی رفتار صحت کے ساتھ قائم کرے چنانچہ اوسنے ایسا ہی کیا اور روحانی بادشاہ بھیجے اور جنہیں بھیجا انھوں نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی۔ اصل بادشاہت یہ ہے جو روح پر اور بذریعہ روح جسم پر ہے۔ یہی شانِ سلطنت ہے۔ پھر جو نسبت جسم کو روح کے ساتھ ہے وہی نسبت جسمانی بادشاہ کو روحانی بادشاہ کے ساتھ ہے۔ پھر جس طرح موت جسم کے لئے ہے روح کے لئے نہیں ہے (بان اخلاق کے اچھے یا بُرے ہونے سے قوی یا ضعیف ہو جاتی ہے) اوسی طرح جسمانی بادشاہ کے قوانین مانعین کے تحت نشین ہونے اور پارلیمنٹ کے بدلنے سے بدل سکتے اور مردہ ہو جاسکتے ہیں مگر روحانی بادشاہ کے قوانین سیکرٹون برس بھی گزر جائیں نہیں بدلتے

صدیوں پر صدیان گذر گئیں مگر نہیں بدلے ہاں جس طرح زمانہ بدلتا اور ترقی کرتا گیا یہ بھی کامل اور  
 اکمل ہوتے گئے۔ پھر جسمانی بادشاہ کا زمانہ والا تو مجموعہ و باغی قرار دیا جائے اور اسکے لئے  
 پھانسی تجویز ہو۔ اور یہ تجویز مطابق عقل سمجھی جائے۔ اور روحانی بادشاہ کا منکر یا عدول علمی  
 اگر نیوالا باغی قرار پائے اور نہ سرکش بلکہ موجب بخشائش اور بخشش سمجھا جائے۔ کیا عقل  
 و انصاف کا یہی فتوے ہے۔ اور کیا قانون فطرت اسی کی موذی ہے ہرگز نہیں حاشا نہیں  
 کافر اور شرک کبھی نجات نہ پایگا۔ اور نافرمان و سرکش کبھی سزا سے بچ نہ رہیگا جس طرح  
 جسم روح کا محکوم اور روح کے چلائے چلتا ہے اسی طرح روحانی مجبور یاں بھی بتا رہی  
 ہیں کہ یہ بھی کسی کی محکوم اور کسی کے اتنا ہے پر چل رہی ہے۔ جیسے جھنڈے ہو کی لہرتے  
 لہراتے ہیں۔ اگر جسمانی بادشاہ اپنی روحانی فطرت سے حصول سلطنت کے لئے مجبور ہے  
 تو روحانی بادشاہ بھی اپنے شہنشاہ کی ہدایت سے جسکے آثار اور نشانیاں اور جس کے  
 اشارات اور قدرتیں فطرتاً اس میں پائی جاتی ہیں روحانی سلطنت کے حصول کے لئے  
 مجبور اور محکوم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فطرت کا اقتضا یہی ہے کہ نبی اور  
 رسول آئیں۔ اور اسی ضرورت سے ناظم نظم عالم نے رسول اور انبیاء بھیجے۔ سائے رسول  
 علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی ضرورت سے آئے۔ اور جس جس طرح دنیا ترقی کرتی گئی۔ حسب  
 اقتضائے فطرت احکام لائے ہر تین لائے۔ اور ناقص کو کامل اور کامل کو اکمل کرتے گئے  
 بچپن کے احکام اور ہن شباب کے اور۔ اور پیری کے اور۔ اسکے بعد کاکوئی درجہ  
 نہیں ہے سائے انبیاء اسی غرض سے آئے اور اسی طرح خدا کا نور پھیلا یا۔ اور جن جن نعمتوں  
 کے لئے محکوم و مبعوث ہوئے تھے ان میں انجام دیکر واپس گئے نَحْسَرَّ عَلَ الْعِبَادِ  
 مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَأَن لَّوْا بِهِ يَسْتَفْهِرُونَ ۗ اِنْدُون پراسرار

کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ آیا جیسا انھوں نے استہزا کیا ہے۔  
 زمانہ جس طرح ترقی کرتا گیا عقل جس طرح اپنی جودت اور اپنا فروغ بڑھاتی گئی ضرورت  
 پڑی کہ ادنیٰ گنجائش اور بساط کے مطابق احکام بھی صادر ہوں۔ اور یوں ہی رفتہ رفتہ  
 امر اور امر کے پرے بھی منکشف کئے جائیں۔ بچپن اور شباب اگر ترقی و نمو کے  
 دو زمانے ہیں تو دونوں کے لئے قانون بھی دو ہیں۔ پیری جو ترقی اور نمو کی غایت کمال  
 رسیدگی کا زمانہ ہے اور اس کا قانون بھی دوسرا ہے۔ اسی لئے بر اقتصاے حکمت خداوندی  
 اول اول تو جسمانیات کا زیادہ حصہ لیا گیا اور روحانیات کا کم۔ لیکن چونکہ جسمانیات کا غلبہ  
 عقار و حانیات بہت ہی کم قرار دیکر مسکی۔ جو کچھ رہی بھی وہ مقابل کے غالب ہونے سے غائب  
 ہوتی گئی۔ اس لئے برگزیدہ مگر تیار تپ راضی آید کے اصول پر بر اقتصاے عالم شباب  
 (رُكُ الشَّيْبَابِ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُمُوعِ) اس کے احکام اور ہونے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 تشریف لائے کہ آپ کے سامنے ہوا عقار و حانیات سے متعلق ہیں جسمانیات سے  
 محض کم۔ انکی خور و نوش و حالت زندگی بھی اسکی شاہد ہے۔ اس افراط و تفریط میں جب بلغم کو  
 غلبہ ہوا تو بلغمی امراض نے پوجھل کیا۔ اور جب سودا کو غلبہ ہوا تو سوداوی امراض نے زخمی کیا  
 حال انکہ فطرت کی بنا تھی اعتدال پر۔ اور ضرورت تھی اعتدال مزاج اور جمعیت خاطر کی اسلئے  
 سب کے آخر میں سر و کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فطرت کی بنا اور اسکی  
 اصلیت کے مطابق فطرت کی ضرورتوں کو پورا اور کمال کیا۔ اور ایسی دو این بتائیں جو معتدل  
 اور مزاج کو اعتدال پر رکھنے والی ہیں۔ اسی لئے مضمون قائم النبیین ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم  
 یہ کافی شہادت ضرورت رسالت۔ اور اس ضرورت کے پوری ہونے اور نبی آخر الزمان  
 صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کے ختم ہونے کی ہے هَذَا اَصْرُطُ دِيَاكَ مُسْتَقِيمًا

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (یہی جتنا سے خدا کی سیدھی راہ ہے ہم نے اوس قوم کے لئے جو نصیحت حاصل کر کے مفصل نشانیاں بتاویں)

**نمبر ۱۰**۔ میں نے پہلے ثابت کیا ہے کہ فطرت اپنی حد میں مجبور اور اپنے اثر تک انتظام سے منتظم ہے۔ خدا کی مخلوق ہے۔ اور اسکی انتظام کردہ چیز ہے۔ یہی نظم فطرت ہے جو ایک ایسا وسیع گہرا غور طلب قانون ہے جسپر عبور حد امکان سے باہر ہے۔ یہ قانون فطرت کی کتاب کچھ ایسی ہی بنی ہوئی ہے کہ پڑھو تو پڑھی نہ جاے۔ نہ اسکے حروف آٹکھوں میں آتے نہ اسکی عبارت سننے میں آتی ہے۔ چھٹی زبانین دنیا میں جن ہر زبان میں یہ کتاب تہ ترجمہ لفظ ہے۔ فہم کے لئے ہی بہت ہے اور عقل کی یہی مطلب ہے کہ کسی قدر اس قانون کے دفعات اسکی سمجھ میں آجائیں۔ اس قانون کا ایسا ہونا بھی لازم ہے کیونکہ یہ قانون صرف انسانی مخلوق کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ سارے عالم کی ہر طرح کی مخلوق کے لئے ہے کیا ارضی مخلوق کیا سماوی مخلوق۔ کیا دیکھی مخلوق۔ کیا ان دیکھی مخلوق۔ اوس پر اسکی ترتیب بھی خداوندی ترتیب ہے۔ نہ اس میں فضول ہیں نہ ابواب ہیں۔ اسلئے بانی فطرت کو لازم تھا کہ وہ ہر حکمہ کا قانون الگ کرے۔ اور جسکے لئے وہ قانون ہے اوسے سمجھانے لے۔ ہر زبان ہے تو اصول قانون بھی عطا کرے جو قانون کی غلط فہمیوں سے باز رکھے جو اس نظر ہی اور باطنی دونوں کے لئے ہادی۔ اور جو عقل و بے عقل دونوں مخلوق کے لئے رہنما ہو۔ قانون فطرت کی طرح زبان خاموش نہ رکھتا ہو بلکہ گویا ہو۔ تاکہ ہر کس و نا کس اپنی اپنی قانون سے کام لے۔ اور اپنی اپنی مراد کو پہنچے عقل متقن اگر قانون بنائے تو لازم ہے کہ عدل متقن اسکی کافی اشاعت بھی کرے۔ سمجھا بھی دے۔ تاکہ کوئی عذر محکوم کے لئے اٹھ نہ رہے۔ یہی عقل کا اتھنا اور یہی عدل کا منشا ہے۔ یہی ضرورت تھی جس ضرورت سے خالق عقل کل

اور بانی عدل تام نے رسول اور پیغمبر بھیجے۔ رسول و پیغمبر بھی لیکر آئے اور طرح طرح سے ادا کو  
 سمجھایا اور اُسکو برکت کر دکھا دیا۔ تاکہ خدا کی مخلوق آسانی کے ساتھ جہاننی اور روحانی ترقیوں  
 سے برخوردار ہو اور حرا و کو پونچھے۔ کہ اَلدِّیْنُ یَسْرُ - یعنی دین تو سراسر آسانی ہے۔ ورنہ  
 مشکل تھی کہ قانونِ فطرت کی اتنی بڑی ضخیم کتاب پڑھی جاسکے۔ اور اُسکے اتنے گہرے  
 معانی تمام تر سمجھ میں آسکیں جب تک نامکمل قانون آتے رہے تو سمجھ کے اختلاف اور  
 امتداد زمانہ کی تاثیر نے دوسرے قانون کی ضرورت پیدا کی۔ اور اس ضرورت کی جگہ تھی  
 لیکن جب مکمل قانون اور اصول قانون آگیا۔ اور طرح طرح کی مثالوں اور واقعات سے  
 سمجھا دیا گیا اور سائے و فدا بہ برت برت کر دکھائے گئے۔ تو رسالت ختم ہو گئی۔ چونکہ ہر دفعت  
 کا برت کر دکھانا تھا اسی سے قرآن مجید جتہ جتہ نازل ہوا۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ  
 إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ ذَمَمِ رَسُولِهِمْ یَسْلُوْا عَلَیْهِمْ اَیْمَهُ وَ مِنْ کَیْفِیَّتِهِمْ  
 وَ یَعْلَمُهُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ وَ لَنْ کَانَ اَوْ اَمِنْ قَبْلَ لِقَیِّ خُلَایِئِ السَّبِیْعِ  
 (اللہ نے مسلمانوں پر فضل کیا کہ ان میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو انکو خدا کی تین پڑ  
 پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا اور کتاب الہی اور دانائی کی انکو تعلیم دیتا ہے ورنہ  
 پہلے تو یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔)

یہ بھی کافی شہادت ضرورت رسالت اور اس ضرورت کے پوری ہونے۔ اور نبی  
 آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کے ختم ہونے کی ہے۔

**نمبر ۳** میں نے توحید میں لکھا ہے کہ مخلوق نام ہے صفات مرکبہ محدودہ کے  
 ظہور کا۔ اب اس ترکیب پر نگاہ کرو۔ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے تو وہ چیز اپنے حال پر  
 اگر وہ اعتدال سے کم و بیش منحرف ہے تو وہ قویب بزوال ہے۔ اگر اس کا اعتدال

ٹوٹ گیا تو دو چیز زائل ہو گئی۔ ہر چیز کے ترکب کا اعتدال گویا اسکی جان ہے اسی طرح فطرت  
 کی جان فطرتی اعتدال ہے۔ اگر کرون کی کشش اپنے اعتدال سے ذرا منحرف ہو تو سارا  
 عالم تروبالا ہو جائے۔ آفتاب و مہتاب ٹکرانے لگیں۔ کوہ و دریا ڈزے بن کر اتر جائیں  
 یہ سارا کچھ فنا ہو جائے۔ قیامت آجائے۔ اسی طرح کچھو کچھ مذہب کی جان مذہبی اعتدال  
 ہے۔ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے ہر کام چاہے دنیاوی ہو یا دینی سب میں اعتدال  
 ملحوظ رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ حقیقی کامیابی محال ہے۔ اب اس اعتدال  
 کا سبق اگر قانون فطرت سے لیا جائے تو یہ قانون الیشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ اور امریکہ کے  
 ہی چار جلدوں میں مجلہ نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح یہ قانون سائے بزرگ عظیم میں ہے اسی طرح  
 سائے عظیم میں بھی ہے۔ جس طرح خشکی میں ہے ویسا ہی تری میں بھی ہے۔ جزیروں میں  
 بھی ہے اور ہوا کے ذروں میں بھی ہے۔ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی ہے چاہے  
 آسمان کو جو کچھ کچھ مگر مخلوق اور جان تمام ہے۔ اور قانون فطرت ہر جگہ دائر و سائر ہے  
 اب قانون فطرت کا سمجھنا۔ اوس پر عبور حاصل کرنا۔ اور اسکے مستثنیات کو نگاہ رکھنا  
 انسانی قدرت سے باہر ہے جیسا میں لکھ چکا ہوں۔ پھر اسکے اعتدال کو سمجھنا اور اس  
 مستفیض ہونا یہ محال در محال ہے۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ مہربان خدا اپنے بندوں کو خلاصہ  
 قانون انسانی انسان ہی کی فہم کے مطابق عنایت کرے جو مہر مہر معتدل ہو۔ اس لئے  
 ضرورت ہوئی رسالت کی۔ اگر یہ رسالت کا کام انسانی جامہ سے نہیں اور صورتوں سے  
 لیا جاتا تو ویسا ہی محمل اور قانون فطرت کی طرح معلق رہتا اور تحصیل محال ہوتی۔ اس لئے  
 آئے رسول نبیجے اور انسانی ہی جامہ میں۔ چونکہ زمانہ کی ترقی۔ دماغ کی ترقی۔ عالم شہاکی  
 درپونچی تھی۔ اسلئے اوس وقت کا اعتدال کچھ اور تھا اور اوس مطابق رسول کے ذمہ

خدمت کی گئی۔ لیکن جب زماذ ترقی کر گیا۔ یعنی دلخ نے اپنا پورا اعتراف اور کمال حاصل کر لیا تو تو فی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور ایسا قانون لائے جو دماغ و فطرت و دونوں کے کمال کے مطابق ہے۔ اور اعتدال پر مبنی ہے جو خلافت مقصود رسالت ہو۔

پھر ایسے نئے جو سراسر اعتدال پر مبنی ہوں موجود ہوں تو چاہے گرم ملک میں استعمال کرو۔ چاہے سرد ملک میں۔ چاہے گرم موسم میں۔ چاہے سرد موسم میں۔ مگر وہ تمام۔ ہر جگہ اور ہر وقت ایک سان مفید پڑے گا۔ زماذ ہزاروں چلنے کھانے ہزاروں اولٹ پھیر ہوں۔ ہزاروں ترقی و نظور میں آئیں۔ اور جب تک زماذ ہے ہوتی رہے گی۔ چاہے زماذ اسی عالم شباب میں ہے یا دو چار ہزار برس کا اور پُرانا ہو جائے۔ مگر یہ نئے جو بالکل فطرت کے مزاج کے مطابق بنے ہوئے ہیں اسی وقت غیر موثر ثابت ہوں گے۔ صوبت فطرت بدل جائیگی اور فطرت کا مزاج

صداعتدال سے منحرف ہو جائیگا۔ جب فطرت نہیں بدل سکتی تو اسلامی قوانین بھی جو سراسر اصول فطرت پر مبنی ہیں جس کا بیان کسی قدر حقانیت قرآن مجید میں آئیگا مگر انہیں بدل سکتے چونکہ جسم و روح کا اشتراک کچھ اس طرح ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا منضم ہے۔ اس لئے روحانی سلطنت کے ساتھ حضرت رسالت کو جسمانی سلطنت میں بھی اسی نسبت سے

ہو فطرتا ایک دوسرے میں ہے حصہ لینا پڑا۔ اور اس میں بھی اعتدال سے قدم باہر نہ گیا۔ اس طرح رسالت حضور پر ختم کی گئی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ وَنَدَّ جَالِ كَيْفَ

وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝

یہ کافی شہادت ضرورت رسالت اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ ولدہ صحابہ پر

ختم رسالت کی ہے۔

نسیب کے سونا جب تک کسوٹی پر کسا جائے کھرا کھرا نشانہیں معلوم ہوتا اسی طرح

جب تک انسان مصائب میں گرفتار نہ ہو اسکی استقامت اور اسکا استقلال اور اس کا صبر و سکون با پناہ جائے اُسوقت تک اوس کی حقیقت نہیں کھلتی۔ اسی سبب سے سائے انبیا علیہم السلام مصائب میں گرفتار کئے گئے اور سونا کسوٹی پر کس کے دکھلایا گیا تاکہ دعویٰ بے دلیل نہ ہو جائے بلکہ وہ بلین جب قدر قومی ہوں اتنی ہی دعویٰ کی تقویت کا جوہر کھلتا جائے۔ تاریخ اور تذکرے شاہدین کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام پر جو جو مصیبتیں آئیں اور لگاتار رہیں۔ وہ ناحق شناسوں کے ایک مدت کے کار نامے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رنگ ناکامی کی حالت میں رہا وہی بلا فرق کامیابی پر بھی رہا کسی حال میں آرام و آسائش کا نام نہ تھا اگر ابلاغ رسالت ہی مقصود بالذات نہ ہوتا تو آپ سامانِ عشرت کیا کچھ نہ چاہتے اور کیا کچھ نہ ہو جاتا۔ یہ سمجھنے والے کے لئے کافی شہادت ہے۔ اگر انصاف سے دیکھو تو صاف نظر آئیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول اور خاتمِ رسل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت تو اس سے ظاہر ہے کہ انکی بعثت نہ ہند میں ہوئی نہ سندھ میں۔ نہ افریقہ میں ہوئی نہ یورپ میں۔ نہ امریکہ میں ہوئی نہ جزیرہ میں بلکہ ملک عرب میں ہوئی۔ جہاں اختلاف مذاہب کا اوس وقت منہ برس رہا تھا۔ مشرکین وہاں تھے جنہوں نے سیکڑوں تون کو خدا کا شریک قرار دے رکھا تھا۔ تنزی و بان تھے جو د خدا ماننے لگے۔ آتش پرست۔ آفتاب پرست۔ ماہتاب پرست۔ ستارہ پرست۔ اور اودام پرست۔ لاناک پرست جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ پھر یہود وہاں تھے جو حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا بیٹا کہتے اور رسالت قلبی میں مشہور تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) خدا کا اکلوتا بیٹا کہنے والے۔ تثلیث پر ایمان لانے والے۔

کفارہ کے قائل اور اعمال حسنہ کو گویا فضول سمجھنے والے وہاں تھے۔ دہریے وہاں تھے  
سوفسطائی وہاں۔ فلسفی مادہ اور روح کی قدامت کے قائل وہاں۔ متناسخی وہاں غرہنگ  
عقائد باطلہ کے بھی کثیرے جس سے ہر طرح کے سہی امراض پیدا ہونے لگیں وہاں کی آب و ہوا  
میں وسیلے ہوئے تھے۔ اور گویا سارا خطہ عرب مسموم ہو رہا تھا یہی عرب تھا جو سارے  
عقائد باطلہ کا مرکز ہو رہا تھا اور ہر طرح کے عقیدے کے لوگ کھنچ کھنچ کر عرب کی سر زمین  
میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ آنحضرت کا عرب میں مبعوث ہونا اور ہر طرح کے عقائد کو باطل کرنا  
اور ہر قسم کے عقائد باطلہ کے مقابل میں کھڑا ہونا اور اُسکا بطلان ثابت کرنا اور سب  
کو ایک توحید۔ اور ایک احکام و اخلاق کی طرف بلانا جو فطرت کے سراسر مطابق ہے۔  
اَلْحَقُّ يَأْتِيهِمُ اللَّيْلُ مَسْدُودًا لِّمَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ لِيُكْفِرَهُ مِنْ حَتْمِ سَعَاتِهِ يَوْمَ يَخْرُجُ النَّاسُ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ فَسَيَكْفُرُونَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ  
اس بات کی ہے کہ یہ اس عرض اور اس حکمت خداوندی سے تھا کہ قیامت تک کوئی  
ایسا فرقہ کا ذرہ اور عقیدہ باطلہ نہ رہ جائے جس کا بطلان نبی خاتم المرسلین ذکر دے  
اسی اتم اتمام حجت کی وجہ سے حضور سید المرسلین اور خاتم النبیین میں کیونکہ جتنے نبی  
اور رسول ہوئے سب کو ایک آدمی ہی فرقہ باطلہ سے سابقہ پڑا چنانچہ اولوالعزم پیغمبروں  
کو دیکھو تو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بت پرستوں اور مشرکوں  
سے سابقہ پڑا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون اور فرعونوں سے جو وہ  
مزلج تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فلسفی مزاج یہودیوں سے۔ لیکن نبی  
آخر الزمان صل اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص فرقہ خاص قوم اور خاص مذہب سے واسطہ نہیں  
بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام تھی۔ حضرت کے زمانہ میں ہر عقائد یوں  
اور بد اخلاقیوں کا سمندر بڑے زور و نپر تھا۔ اور عقائد باطلہ اور حرکات نازیبا و

تا شاید اسے کہے دیا اور منہ لہے تھے حضرت نے قانونِ فطرت سے۔ دلائلِ عقلیہ سے  
 خدائی جذبات کی قوت سے۔ باطل کو باطل کیا۔ اور حق کو قائم کیا۔ سب کے دنوں کی  
 تشفی کر دی اور سکونِ ابدی بخشا۔ تاکہ آئندہ کے لئے کچھ رہ نہ جائے جسکے بطلان کی  
 ضرورت ہو۔ اور کچھ اس عنوان سے سب کا ابطال کیا کہ باطل عقیدوں کی چاہے جتنی  
 شقیں نکلیں سب کے بطلان کے لئے کافی ہو۔ اور حق اس طرح روشن ہو جائے کہ اسکے  
 بعد کسی دلیل کی حاجت نہ رہے جیسے بدیہیات کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔

اتنا بڑا مہتمم ہالشان کام جسکی کوئی مثال بدو عالم سے اسوقت تک نہیں ملسکتی۔ ایک  
 آدمی کے ہاتھوں سے انجام پانا اس آدمی کی رسالت اور ختم رسالت کے لئے جین شہادت  
 اور اس شہادت کے لئے مہر ہے۔ مگر کوئی اپنی آنکھیں پھوڑ لے۔ کانون میں سیسے  
 ڈال لے عقل کا دشمن ہو۔ اور فہم سلیم سے باغی ہو جائے تو اس کے آگے دن کیا اور  
 رات کیا۔ حق کیا اور ناحق کیا۔ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا اِنْ لَيْتَكُمُنَا  
 يَا لَئِيْلًا وَكَعْبُرًا وَاَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ

رہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری اور ڈر سنانے والا بھیجا ہے تاکہ لے مسلمانو تم اللہ لوہا کے  
 رسول پر ایمان لاؤ اور اسکی مدد کرو اور اسکا ادب ملحوظ رکھو اور صبح و شام اسکی تسبیح پڑھو  
**نمبر ۳** اعلان رسالت سے پہلے قوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صحت

کا اقرار کیا۔ قوم نے ہا اتفاق اقرار کیا کہ کہیں سے اسوقت تک کبھی کوئی ایک بات بھی  
 آپکی جھوٹی نہیں دیکھی۔ بعد احوطے نبوت آپ کی ہا یثین موجود ہیں جن کو فطرت کے کلمات  
 پر قولِ نوبال برابر فرق دیا گیا عقل سلیم کی آنکھوں سے دیکھو تو اسلام فطرت کی ترازو کا  
 دوسرا پلہ دکھائی دیا جیسا کہ بیان بطریق اختصار محتانیست قرآن مجید میں آئیگا۔ پھر اس

نبی کی ساری باتیں قبل و بعد اعلیٰ سے نبوت تو صداقت اور حقایق سے مملو ہوں اور صرف مشتبہ کو نبی ہات رہ جائے کہ چہرئیل کا وحی لانا اور ادعاے رسالت کرنا اور اپنی باتوں کو مصیبتیں جمیل جمیل کر خدا کی طرف منسوب کرنا۔ کیا عقل اسے مان سکتی ہے۔ یا کیا یہ اقتضائے فطرت ہے۔ اور پھر اس ادعا کی وجہ سے حضرت نے نفع کیا اٹھایا کیا اپنے آپ کو خدا کو ایسا۔ اپنی پرستش کرائی۔؟ بادشاہانہ شان و شکوہ دکھایا۔ عیش و عشرت میں بسر کی۔ اچھا کھایا اچھا پہنا۔ آرام سے سوئے؟ تا تاریخ شاہد ہے کہ کبھی لگاتار تین دن بھی آپ نے روٹیاں نہ کھائیں کبھی شکم سیر ہو کر نہ کھایا۔ پورے پورے تھے جس سے بدن پر نشان پڑ جاتے تھے۔ اگر وہ اپنے ادعا نبوت میں ڈرا ڈھیل نہ پڑتے تو عرب اپنی رضامندی سے آپ کو بادشاہ بنا لینے کو تیار تھے۔ اور اس زمانہ کی رسم کے مطابق سیکڑن عورتیں حسین سے حسین عیش و عشرت کے لئے مہیا ہو جاتیں۔ مگر آپ نے تمام عمر سچا عافیت و آرام کے مصیبتیں اٹھائیں۔ تکلیفیں سہیں۔ چہر جس عاقل کی فلسفیانہ باتیں تیرہ سو برسوں سے آج تک اپنی معتدل و مستقل روشنی حسین کہن کا دھبہ نہ آئے کہ روں مخلوق پر پھیلا رہی ہوں اسکی عقل کا یہ اقتضا ہے کہ یہ سارے مصائب وہ لایعنی جھیلے۔ اگر اعلان حق اور ابلاغ رسالت مقصود تھا تو کون سا مقصد قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی مقصد قرار نہ سہیں دیا جاسکتا تو یہ فطرت کا عملی ثبوت کیوں نہیں سمجھائی دیتا کہ آپ اپنی ادعا میں سچے اور عقل میں کامل تھے۔ اور جس سچائی سے آپ نے ادعا نبوت کیا اسے مصائب جمیل جمیل کرنا یہ عاقلانہ طور پر پورا کیا اور اپنے کل حرکات و سکنات سارے افعال و اقوال سے اپنے دعوے کی دلیل مدلل کرتے رہے۔ باتیں روشن ہیں عقل کے اندھے ٹھوکریں کھائیں تو ان کا شمار اکون ہو۔

**شعبہ** یہ تمام مشاہدہ میں آتا ہے کہ اپنے اور یگانے جلد سر نہیں جھکا کرے۔  
 یہی تو وہ ہے کہ خدا جو سب سے زیادہ ہر ایک کا یگانہ ہے جب تک اسکی غایت عنایت  
 و جلالت کا سکہ دلون پر نہ بیٹھ جائے اسکے آگے دل نہیں جھکتا۔ نہ ہیر اپنے سعدن میں  
 عزیز ہے نہ موتی دریا میں۔ نہ سورج آسمان میں معزز ہے نہ اجزائے ارضی زمین پر۔ جو  
 جس لقب سے بچپن سے پکائے جانے کا عادی ہوتا ہے ہزار قابلیتیں اس میں آجائیں  
 مگر اکثر تو یہی ہے کہ وہ لقب نہیں بدلتا۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ آنکھیں یا تو صفات پر کم  
 پڑتی ہیں یا اون صفتوں کی عادی ہو جاتی ہیں اور چونکہ عیوب سے ایذا پہنچتی ہے  
 اسلئے عیوب پر نظر گڑھی ہوتی ہے۔ عیوب تھوڑے بھی ہوں تو بہت نظر آتے ہیں  
 اور بہت بہت بھی ہوں تو بھی تھوڑے دکھائی دیتے ہیں۔ غریبوں سے لیکر امرا تک  
 اور جلا سے لیکر اہل کمال تک دیکھ جاؤ یہی نقشہ ہے کہ اہل البیت ادا دی ہما فیہ  
 اسی سبب کسی کے دس پانچ ماننے والے ہوئے کسی کے سو دو سو۔ ان میں بھی بگاڑوں  
 کی تعداد یا تو مفقود یا محض گنتی کی رہی حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے  
 انکی حیات میں چند چھوے اور گڑھے ہوئے اور بس۔ اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام پر ایمان لانے والے اپنا پیشین دین و مذہب قربان کرنے والے۔ ملکہ ملت  
 دولت و شہمت۔ وطن و مولد دوست و احباب۔ زن و فرزند۔ مان باپ۔ یگانے اور  
 بیگانے۔ سب کو چھوڑ کر سب کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر جلا وطنی کا سوگ اختیار کرنے والے  
 فقر و فاقہ پر اپنی گذران کرنیوالے جہاد میں جانیں لڑا کر اے اپنے صدق و اخلاص کا ثبوت  
 دینے والے۔ قریب اور یگانے ہی سب کے پہلے کھڑے ہوئے۔ جان کے لئے انسان  
 دولت کھوتا ہے مگر دین و مذہب کے لئے جان بھی عزیز نہیں رکھتا۔ اسلئے دین و مذہب کا

بدننا وہ بھی اپنے یگانے پر ایمان لاکر تا وقتیکہ اسکے اوصاف کی عظمت و جلالت دل و  
 دماغ کا احاطہ کر لے اور کئی سچائی اور نیک چلنی کا نور دید و شنید کی قوتوں پر غلبہ نہ کر لے  
 ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ بگائون کو جانچ پر تال کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ اگر کسی وضع کا عیب  
 کسی طرح کا نقص پاتے تو ہرگز ایمان نہ لاتے اور جان و مال قربان کر کے اپنے ایمان  
 کا ابدی ثبوت نہ دے جاتے اور اغیار سے پیش قدمی کرنا اور بھی دشوار تھا۔ جنہیں عیب چینی  
 کا زیادہ موقع تھا اور پوجہ متخالف نہ رہی اسکی زیادہ ضرورت تھی اور ہی نے عظمت جلت  
 نبوت کو پہلے تسلیم کیا۔ اغیار بھی جنہوں نے کفر کیا دشمن جان و مال ہوئے دشمنی تو کی  
 مگر آپ کے اوصاف اور اخلاق کے منکر نہ ہوئے کسی نے بھی کوئی عیب نہ لگایا اس  
 اسکے حق کی قوت و طاقت کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھ کر سمجھنے لگ گئے کہ یہ تو صریح  
 جادو ہے یعنی عقل کو حیرت میں ڈالنے والا ہے۔

اے خدا کے بندو! کیا ایسی بے عیب ذات کی مثال کوئی دوسری تمہیں مل سکتی ہو  
 اگر جنہیں مل سکتی تو کیا صحیفہ فطرت تمہیں جنہیں بتاتا کہ ایسی ذات بے مثال کے آگے تسلیم  
 نعم کرو اور اسکے دعویٰ اور ہایتوں کو تسلیم کرو اور یہی اسپر ایمان لانا ہے۔

**نہج** اخلاقی مسائل بڑے گلاب سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ اوس پر  
 اس قدر تیز جسکی تیزی کا ہر دماغ تحمل نہیں ہو سکتا۔ کتابوں میں تو آسانی سے لکھے جاتے ہیں  
 و عطا نصیحت کے لئے تو گلاب کے پھول ہیں کہ سامعین کے دماغ معطر ہو جائیں مگر عمل  
 کرنے میں پہاڑ سے بھی زیادہ سخت اور گران ہیں۔ اسپر متزاویہ کہ جیسا عام قاعدہ ہے کہ  
 دو مختلف چیزوں کو ملاؤ تو وہ ایک دوسرے میں محلول ہو کر تیسری ہی صورت پیدا کریگی  
 دو دھ اور پانی کو ملاؤ تو نہ دودھ دودھ رہیگا اور نہ پانی پانی آگ کرنا چاہو تو یہ بھی ناممکن

اسی طرح اخلاق کی دو متضاد صفتوں کو تو بوجہ غائت لطافت اور تیزی کے دونوں کا ملکہ ایک ہو جاتا تو کجا یہ تو ایک دوسرے کا قرب بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ دغصہ کے وقت رحم آئیگا نہ رحم کے وقت غصہ۔ اگر دونوں قریب قریب لمجائیں تو دغصہ رہے گا نہ رحم ہی۔ گویا ایک شخص بے حس ہو جائیگا پھر جہاں دودھ اور پانی ملکر بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہے۔ آپس میں ملکر بھی غصہ کا غصہ اور رحم کا رحم ہے۔ تو یہ ایسا بھاری بھاری ہے جو کوڑھی کو چنگا کرنے اور اندھے کو سونکھا بنا دینے سے زیادہ تر مشکل ہے۔ مثلاً میدان رزم گرم ہو تو لوارین چمک رہی ہوں۔ خون کے پیاسوں کا خون جوش دن ہو۔ موت اپنا فیصلہ کر رہی ہو اور جوش شجاعت کے جلا دینے والے شعلے ہر چہا طرف بلند ہو رہے ہوں۔ اس وقت اور دشمنوں پر قابو پانے کے بعد بھی رحم و عفو کا نہر اسی درجہ پر ہو جو مقیاس الحرات کا اس وقت ہے کیا یہ انسان کا مل ہونے کی دلیل اور فطرت کے غائت ترقی کی مثال نہیں ہے۔؟

پھر کیا یہ دیکھ کر بھی اور سکی متعدد مثالیں پا کر بھی فطرت کا سچہ تمہین نہیں دکھائی دیتا۔ انصاف کی عینک لگا کر دیکھو موافقین اور مخالفین دونوں کے لکھے ہوئے تذکرے پڑھ جاؤ سائے تانیخ کے اور اق اولٹ ڈالو اور بدو عالم سے آج تک جب سے تانیخ کا پتہ چلتا ہے سب میں ڈھونڈ جاؤ۔ سائے مقدس اور برگزیدہ لوگوں کی سوانح عمریان پڑھ جاؤ یعنی خاص بلکہ انحص لوگوں میں بھی دیکھو کہ بجز ذات بابرکات خاتم المرسلین کے اور کسی میں بھی اسکا پتہ چلتا ہے کہ اخلاق کے متضاد صفات بیک وقت بلکہ ہر وقت کامل اور معتدل درجہ پر کسی میں بھی پائے جاتے ہوں۔ **وَرَأَيْتَ لَعَلَّ الْخَلْقِ عَظِيمًا** (اور بیشک تمہارے اخلاق بڑے ہیں)

جلال و رحم۔ کفایت وجود جوش غیرت و جوش انتقام کے ساتھ بھی درگزر و عفو۔ راحت میں جفا کشی بمصیبت میں اطمینان و سکون۔ عبودیت و آزادی۔ صبر و مقاومت۔

توکل و کسب۔ طلبِ منفعت و درضا۔ دفعِ مضرت و تسلیمِ حصولِ زائد و قناعتِ میں اوصاف کی فہرست لکھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اسکے لئے یہ مختصر رسالہ کافی نہیں ہے۔ مگر مجھے یہ دکھانا ہے کہ یہ قریب قریب متضاد صفات بلکہ ایسی ہی اخلاق کی ساری باتیں ایک وقت میں بلکہ ہر وقت میں گھر میں ہوں یا میدانِ جنگ میں آرام و اطمینان کے وقت ہوں یا اظہارِ شجاعت کے وقت اپنوں کے ساتھ ہوں یا پراپیوں کے ساتھ۔ اعتدال کے ساتھ برتنا وہ قلعے جو پل صراط پر اٹھائے گئے ہوں ان پر اس آسانی اور نرمی سے فتحیاب ہونا اگر انسانی قدرت میں ہے تو اسکی کوئی مثال دو۔ اگر انسانی قدرت سے باہر ہے تو یقیناً لازم ہے کہ یہ ظہورِ صفات کا کامل نمونہ یہ فطرت کی غایت ترقی کی مثال بے صفات ربانی کے خاص ظہور کے نہیں ہو سکتا۔ یہی خاص قسم کی خصوصیت شانِ رسالت ہے اور اس خصوصیت کا کمال اور بوجہ الاتم ہونا شانِ ختمِ رسالت ہے کہ اسکے بعد کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

**نہم** جتنے انبیاء و رسل ہو گئے سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئیوں کرتے چلے آئے کہ ایک نبی آخر الزمان ان اوصاف کے ساتھ متصف پیدا ہوگا۔ یہ گویا خدائی نوٹس تھا۔ یہ پیشین گوئیوں تو ریت و انجیل و زبور جو آسمانی صحیفوں مانے جاتے ہیں سب میں پائی جاتی ہیں۔ باوجود تحریف کے بھی بالکل مسئلے نہٹ سکیں۔ یہاں تک کہ وید جو اپنے ماننے والوں کے یہاں سب سے پرانی قدیمی آسمانی کتاب مانی جاتی ہے اس کے آئروں وید میں آپ کے نام کا کلمہ جو ان کہی کے لفظ سے بولا جاتا ہے موجود ہے۔ کیا کوئی ملک کوئی قانون ایسا بھی ہے جہاں چارچار معتبر شہادتیں مقبول نہوں۔ اسلئے جب عیسائی اپنے ہی کتابوں سے اسکے ماننے پر

مجبور ہوئے تو یہ کہنے لگ گئے کہ وہ موعود نبی ابھی تک آیا نہیں ہے بلکہ آئیگا اور اُس کے منتظر ہو بیٹھے۔ لیکن اُن کا یہ خیال بالکل قانونِ فطرت کے خلاف ہے کیونکہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں نبی اُسے اور کوئی قوم اور کوئی فرقہ اس نعمت سے محروم نہ رہا مگر کتبِ آسمانی سے دنیوں کا ایک وقت میں عبوت ہونا تو پایا جاتا ہے مگر اسکی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ وہ دنیوں کے عبوت ہونے میں اٹھارہ اوئیس سو برسوں کا فصل ہوا ہو۔ اور جب اتنا مدید زمانہ گزر گیا تو یہ قانونِ فطرت یا عادت اللہ کے خلاف ہے کہ اتنے زمانہ تک کوئی نبی نہ آئے۔ پھر اس اثنا میں ایک نبی کا آنا اور فطرتی زمانہ کے مطابق اُس کا مدعی رسالت ہونا پتے دھم سے بین پورا کیا گیا ہے جو جانا اور آج تیرہ سو برسوں تک اُس کے فوراً چمکتا ہی رہتا ہے اور کافرانہ ثبوت نہیں ہے۔ کیا یہ قانونِ فطرت اس موعود نبی کے آنے کی اور پھر تیرہ سو برسوں تک کسی کا مدعی نبوت نہ ہونا اسی پر ختم رسالت ہونے کی قوی سے قوی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔ اسپر بھی کوئی نہ مانے اور انتظار ہی میں رہے تو اُسکی شبِ انتظار کی کبھی سحر نہیں ہونے کی۔

**نمبر** ایک شخص جو کبھی مکتب میں نہ بیٹھا ہو جس نے کبھی دو حرف بھی پڑھے ہوں جو مروجہ علوم کے میدان سے دور ہو جسکی تربیت کا اہتمام ہونا تو کجا اوسکو والدین کی تربیت نہ ملی ہو۔ نہ سیاحت کے مزید مواقع ہاتھ آئے ہوں وہ ایک دفعہ اوسٹھ اور اخی رسول اللہ کے ایک نعرہ سے زمانہ کو ہلائے ایسے زمانے میں کہ ادبِ انشاکا عروجِ آسمان پر ہو۔ فصاحت و بلاغت کے سر و سر اپنی پوری روشنی سے ہے ہوں عورت و مرد ہر کس و نا کس سب اُسکے نظارہ بازی کا دم بھرتے ہوں اور جو ہریاں سخن اپنے انمول جواہر سخن کا بازار لگاتے ہوں اُسوقت وہ امی ایک کتاب پیش کئے

کہ یہ خدا سے قادر الکلام کا کلام ہے جسکی تخلیق نے ساری پہلی روٹینوں کو ڈھانکا لیا ہو۔ سب سے پہلے  
 گا کر اہوا کنگرہ اب تک یادگار موجود ہے۔ ساتھ اسکے نہ صرف بہ لحاظ ادب نہ صرف بہ لحاظ  
 فصاحت و بلاغت بلکہ مضامین کی حیثیت سے بھی جسے الہیات کا اصل اصول اور فلسفہ کا  
 منبع و معدن کہنا مطابق واقع ہے لاثانی و لا جواب ہے۔ اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ  
 اَمْ عَلٰى اَقْلُوْبٍ اَقْفَا لِهٰمًا۔ (کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلون پر  
 قفل پڑے ہیں) کیا یہ شہادت تسکین بخش نہیں ہو سکتی کیا صرف قرآن ہی حقانیت رسالت  
 کا معتبر گواہ نہیں ہو سکتا۔ کیا قرآن جسکی نظیر آج تک پیش ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اُسوقت  
 بھی برابر اسکا دعویٰ اور اعلان کیا گیا کہ اسکی سی ایک چھوٹی سی سورت بھی تو کلام اکیلے  
 نہیں تو ٹولیاں بانڈ کر سہی تاکہ اس کا ثبوت ہو کہ یہ خدائی کلام نہیں ایسا کہنا انسانی قدرت  
 میں بھی ہے۔ قوم باوجود ہر طرح کی مخالفت اور مخالفانہ کوششوں کے اور ہر طرح کے مباحث  
 اور اہتمام مباحثہ کے عاجز رہی کیا یہ اسکی صداقت کے لئے کافی نہیں۔ اسکے سوا ایسی کتاب  
 ایک امی کی زبان سے جس کا جواب نہ ہو سکے ایک ایسے شخص کی زبان سے جس نے  
 سیاحت نہ کی ہو۔ اور اسکے احکام میں ہر ملک کی مجبوریوں کا لحاظ رکھا گیا ہو اوس کی  
 ہدایتوں میں فطرت کی ساری قوتوں کو اپنی قدرت بجز نشوونما پائیکلی فیضیابی کا خیال کیا گیا ہو  
 اکیسا اس سے بھی تمھارے ایمان کی انکھوں میں نور نہیں آتا قبا ہی حدیث بعد  
 اللہ و آیاتہ یُوضَعُونَ (تو اب اللہ اور اسکی آیتوں کے بعد آیا کون سی بات ہوگی جسے  
 ستر کر لوگ ایمان لائینگے) یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ایسی ضخیم و مجموعہ اخلاق کتاب کے حرف  
 حرف پر اس طور سے برابر عمل رہنا کہ اس میں کبھی کوئی خطا بلکہ کسی قسم کی لغزش بھی واقع نہ  
 اگر انسانی قدرت میں ہے تو مخالفین اسلام اپنی مقدس سے مقدس جماعت میں سے

یسیے ایک مقدس شخص کو بھی پیش کرین کہ وہ خطا و ن سے بچ بھلا ہو۔ یا پتھر مہرون کے سوا کوئی مدعی ہو کہ کسی اخلاق کی پوری کتاب پر کچھ دنوں عمل ہو کر دکھلائے کہ اس نے سارے اخلاقی مسائل کو اپنی جگہ پر برتنا اور ہمت قامت کے ساتھ برتنا ہونہیں دکھلا سکتا کہنا اور ہے کرنا اور ہے۔ قول و فعل کا ایک ہونا جس میں ایک نقطہ کا فرق نہ ہوا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ فطرت میں بھول چوک غلطی اور خطا ہے۔ یہ اوس سے ہو سکتا ہے جسے فطرت پر غالب ہونے والی قدرت اور اس خلاق فطرت سے ملی ہو۔ اور فطرتاً یہ رسول کی فطرت کی شان ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی رہبان کی صحبت میں چلے دو چلے رہے تھے اور یہ اوسی صحبت کا نتیجہ ہے تو منہ چڑانا ہے آج اس زمانہ میں جسے روشن کما تا ہے جس میں علوم و فنون کی کیسی کچھ گرم بازاری ہے۔ آج کوئی رہبان صاحب تو کھڑے ہوں اور قرآن مجید کی سی ایک کتاب پیش کر دین اگر چہ تیرہ سو برسوں تک سوا از بانی جمع خرچ کے نہ پیش کر سکے جسکی ادب جسکے مضامین جسکے قوانین جسکی ہدایتیں تمام تر کامل۔ اور اس اعتدال کے ساتھ ہوں کہ صدیاں گزر جائیں اور اس میں وجہ نہ آئے جس میں تہذیبِ نفس۔ تہذیبِ روح۔ تہذیبِ اخلاق اور سارے حقوق کی نسبت ہدایت ہوں۔ اور وہ ان سارے قوانین کا عمل بھی ہو۔ اور سر اپا نمونہ اخلاق و تہذیب ہو اور پچال چلن میں مجبوعہ صفات ہو۔ جو اس طرح برتے جائیں کہ اعتدال کے ساتھ ٹھیک اپنی جگہ پر ہوں۔ بڑے بول سے کام نہیں چلنا علی طور پر کوئی صاحب جو اب دین اور اسکے جواب میں اپنے منہ سے بڑے زندے یا مرے کو پیش کرین۔ رہبان کی چند دنوں کی صحبت کا جب اتنا اعلیٰ نتیجہ ہو یا چند موجودہ سنے سنائے مذہبی معلومات کے یہ عملی نتائج

ہوں تو آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات یا خود رہبان صاحب تو خدائی کے مدعی ہو سکتے ہیں  
 افسوس صد افسوس انہیں آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں کان ہیں لیکن سنتے نہیں۔ عقل ہے  
 پر دیکھتے نہیں۔ آدمی ہیں حیوان سے بدتر۔ زندہ ہیں مردہ سے بدتر۔ اگر ایسا نہیں ہے تو  
 نور محمدی کا روشن چاند انہیں کیوں نہیں دکھائی دیتا۔ ندائے محمدی کی گونج کیوں نہیں  
 سنائی دیتی۔ سمجھ کی باتیں کیوں نہیں سمجھتے۔ آدمی ہیں تو آدمیت لازم ہے۔ یعنی عبودیت  
 چانداریں تو جانوں میں جان ہوتی تھی یعنی روحانیت مگر اولیٰ علیہ السلام کما الالغاف  
 بَلْ هُمْ آصْفَل۔ (یہ تو جانور ہیں بلکہ اوس سے بھی بدتر) جو رسم و رواج ملکی کنیزوں  
 میں بکڑے ہوئے ہیں۔ آئین و مذہب آبائی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ دین کیش  
 تقلیدی کے قید خانہ فرنگ میں مجبوس ہیں وہ مخاطب نہیں اونکی طرف مخاطب بھی بچا ہے  
 انہیں دقانون فطرت سے بحث ہے نہ آئین حق کی تلاش ہے۔ آفَسَ آيَاتٍ مِّنَ الْمُتَّخَذِ  
 الْاٰلِهَةِ هُوَاۡلَا وَاَصْلَهُ اللّٰهُ عَلٰۤى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰۤى سَمْعِهٖ وَّقَلْبِهٖ وَجَعَلَ  
 عَلٰۤى بَصَرِهٖ غِشَاۡوًا فَمَنْ يَّهْدِيۡهُ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (بھلا تم نے اوس شخص کے  
 حال پر بھی نظر کی جس نے اپنے خواہش نفسانی کو اپنا سبب و بنا رکھا ہے اور علم ہوتے سائے  
 اللہ نے اسکو گمراہ کر دیا ہے اور اوسکے قانون اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اوسکے  
 آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے گمراہ کئے پیچھے اوسکو کون ہدایت دیکھتا ہے؟)

# کلام اللہ

تیسرا ثبوت قرآن مجید کی تثنائیت کا ہے۔ جب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دعوے ہے کہ میں خدائی احکام اور ہدایتیں لایا ہوں تو اسکے معنی یہ ہوتے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں ہیں بلکہ خدا کے فرمان ہیں۔ میں صرف پیچ میں واسطہ اور پیغام رسان ہوں اس لئے یہ فرمان قول خدا ہے اور یہ فطرت جسکی شان میں ہے **فِطْرَتِ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ** **الَّذِينَ الْقَدِيمُ** (یہ خدا کی بنائی ہوئی مشرت ہے جسپر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا اور خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا یہی دین کا سیدھا راستہ ہے) یہ خدا کا فعل ہے اب خدا کے قول اور فعل کو ملا کر دیکھو لفظاً بھی اور منئے بھی۔ اگر مخالفت پائی جائے کہ اُسکا قول کچھ ہو اور فعل کچھ تو یہ شان خداوندی سے بعید ہے اور اگر مطابقت پائی جائے اور وہ بھی ایسی کہ جسکا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ فطرت جسکا فعل ہے یہ کلام اوسی کا قول ہے۔

اس اصول پر اگر سارے مذاہب جو اسوقت دنیا میں پائے جاتے ہیں تو لے جائیں تو سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں مل سکتی جو اس ترازو پر ٹھیک اترے **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** (اور سب ملکر مضبوطی سے اللہ کے دین کی رسی کو پکڑے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہو) اسلئے قرآن کے سوا یہ کسی کتاب کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں خدا کا کلام ہوں اسی ایک کتاب کا

دعوے بھی ہے اور یہی اس ترازو پر ٹھیک بھی اترتی ہے۔

**تمسب** عالم کی ہر ایک چیز پر نگاہ ڈالو اور اُسے تمسق کی نظر سے دیکھو تو تمہیں دکھائی دے گا کہ خلاق ممکنات نے فطرت کا باغ عجیب طلسمی قوتوں سے لکایا ہے جس کا ہر ایک نعل ہر ایک پھول ہر ایک پھل ایسا کچھ بنا ہے اور جسکی ٹیٹیاں اور روشین ایسی کچھ آہستہ ہیں کہ جسکی نقل اُتارنی انسانی قدرتوں سے باہر کیا معنی محال ہے صنعت کی غایت ترقی یہی ہے کہ اوسکی مردہ شبیہ کھینچے جو کسی مصرف اور کام کی نہیں۔ نہ پھول کی تصویر یوں ہوگی نہ پھل کی تصویر ذائقہ دار نہ شاخوں اور پتیوں کی تصویریں ترو تازہ ہونگی اور نہ فختوں کی تصویریں سایہ دار جس طرح اوسکے فعل کی مثال کوئی نہیں دیکھتا اور اوسکی پوری نقل کوئی نہیں اُتار سکتا اوسی طرح اوسکا قول بھی ہے دعوے کیا گیا کہ

فَاتَوَاتُوا يَسُوْرًا يَلْمِزْنَ مِمَّنْ شَاءَ (ایک سورت بھی سورہ قرآن کی سی لاؤ) یہ دعوے معرکہ میں ڈالایا گیا۔ مخالفین۔ دشمن ایمان کی جماعت کی جماعت ٹوٹ پڑی مگر جس طرح اسکی بنائی ہوئی چیزوں کی سی ایک چیز بھی نہ بن سکی۔ اوسی طرح اسکے کہے ہوئے کلام کی سی ایک سورت بھی نہ کہی جاسکی۔ نقل بھی اُتاری تو ایسی جہین زور و بوباس نہ وہ لذت۔ تصویر کی طرح بنی تو تصویر کی طرح مٹی بھی۔ اے دیکھنے والو دیکھو جو تجلی اُسکے افعال میں دکھائی دیتی ہے وہی تجلی اوسکے اقوال میں بھی نظر آتی ہے وہی ایک روح ہے جو دونوں میں ہے پھر جس طرح فطرت خدا کی بنائی ہوئی ہے اوسی طرح قرآن بھی کلام الہی ہے۔ کلام الملوک ملوک کلام۔ جس طرح یہ اپنی انشا۔ ادب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے لاثانی ولا جواب ہے۔ اوسی طرح یہ اپنے معنی۔ مضامین اور ہدایتوں کے اعتبار سے بھی لا جواب و لاثانی ہے تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۝

من زب العلیکین ۵ (اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوا ہے)

**نمبر ۲** ہم عالم میں دیکھتے ہیں کہ جتنی چیزیں نظری حالت میں ہیں وہ انسانی دسترس سے باہر ہیں۔ اون میں ظاہر اذ کوئی انتظام ہے نہ سلسلہ یا اسکا انتظام و سلسلہ انسانی عقل و فہم سے باہر ہے۔ مثلاً جنگل اور پہاڑ کہ درختوں میں نہ کوئی نظم ہے اور نہ کوئی سلسلہ۔ ابھی جھاڑ پہاڑ درخت ہیں ابھی خوشنما بوٹیاں۔ ابھی خار دار ہیں تو ابھی پھولدار علیٰ ہذا سلسلہ کوہ پر نظر ڈالو کہ کہیں ٹیلے ہیں تو کہیں آسمان کو چھونے والی چوٹیاں۔ کہیں ننگے چٹان ہیں تو کہیں سبزہ زار خود زمین کو دیکھو کہ کہیں اسقدر بلند ہے کہ پہاڑ کا نمونہ کہیں اتنی پست کہ جسکی ترخونفاک معلوم ہوتی ہے کہیں پہاڑ ہے تو کہیں سمندر ہے۔ آسمان کی طرف دیکھو۔ تارے کہیں نیلے ہیں کہیں سفید کوئی زیادہ چمکیلے کوئی کم۔ اور کسی میں بھی کوئی نظم نہیں۔ نہ دائرے کے طور پر نہ بیضی شکل میں۔ نہ لہر کے طور پر۔ نہ خط مستقیم کی صورت میں۔ گویا موتیوں کی لڑیاں ٹوٹ گئی ہیں کہ موتی بکھر پڑے ہیں اگرچہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ ان میں نظم و انتظام کسی طرح کا نہیں مگر ایک ذرہ بھی خدائی نظم و انتظام سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح کلام اللہ کو اٹھا لو۔ ابھی تبشیر ہے تو ابھی تنذیر۔ ابھی قصے ہیں تو ابھی احکام۔ غرض ایک آیت کو دوسری آیت سے یا ایک رکوع کو دوسرے رکوع سے یا ایک سورت کو دوسری سورت سے بظاہر کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا تو کیا بے ربط ہے ہرگز نہیں۔ ان میں بھی وہی ربط ہے جو اس خداے قادر مطلق نے اپنی کل بنائی ہوئی چیزوں میں جو انسانی دسترس سے باہر ہیں نے رکھا ہے جو عقل کے اندھے شک کرتے اور یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں قطعاً کہانیوں کی کتابوں کی طرح کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تاروں کو دیکھ کر اور خدا کی کل بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر یہ نہیں کہتے اور کیوں نہیں وہ ان چیزوں کو بھی انسانی بنائی ہوئی چیز

سمجھتے ہیں افسوس ہے کہ اوس کے قول و فعل کی ایسی بین مطابقت دیکھ کر بھی ہدایت اور سمجھ کی آنکھیں تو پھوٹی جاتی ہیں۔ اور شک اور اعتراض کی آنکھیں کھلی جاتی ہیں ایسے ہی لوگ آیات بینات خداوندی دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تھے وَلَئِنْ كَرِهْتَ آيَةً يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا قَوْلًا فَاسْمَعْهُ (اور یہ لوگ اگر کوئی سامعزہ بھی دیکھیں تاہم حق سے روگردانی کریں اور کہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا جادو ہے جو سدا سے ہوتا چلا آیا ہے)

**نمبہ** چونکہ اس صوت اور ان الفاظ میں کلام بے صوت و بے لفظ مضمر ہے اسلئے اس کی حفاظت کا مستقل انتظام بھی صرف کتابت پر اٹھانہیں رکھا گیا۔ بلکہ ایک ایسی جگہ یعنی حفاظت کے دونوں میں رکھا گیا ہے جہاں نہ چور پہنچ سکے نہ رہزن۔ جہاں نہ مٹرانہ لگنا ہے نہ کیڑوں کی رسائی۔ جہاں نہ پادریوں کی دست درازی پہنچ سکتی ہے کہ حسب عادت تحریر کر سکیں نہ خطا نویس کا تبون کا ہاتھ کہ اولٹ پھیر کر سکیں اس کتاب کے سوادنیامین اور کونسی کتاب ہے جسکے لئے بانی فطرت نے یہ انتظام کیا ہو۔ جو آج تک باوجود ہزاروں انقلاب کے نہ ٹوٹا اور ٹوٹ سکتا ہے بالفرض اگر کوئی کتاب ایسی پائی جائے کہ وہ کبھی یاد کی جاتی ہو تو اس کا ثبوت مشاہدہ سے ملنا تو درکنار تاریخ سے بھی نہ ملے گا۔ اگر تاریخ میں کوئی نشان ملے بھی تو یہ بدیہی ہے کہ وہ رہانہیں اور بانی فطرت کا نظم نہیں ٹوٹے گا۔

جس طرح صحیفہ فطرت ہے کہ اسکی عبارت پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے اسکے قوانین سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں مگر اسکا ایک ذرہ بھی محو یا سلب ہو جائے یہ ممکن ہی نہیں ایسی طرح کلام اللہ ہے جو عرش پر لکھا ہوا ہے یا یوں سمجھو کہ دل و دماغ جیسی وصلیوں پر لکھا ہوا ہے اسکا بھی محو یا سلب ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر سائے سلاطین معاہدہ اپنی کل افواج

اور تو نون کے چابین کہ اس کلام کو محو کرین تو یہ انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اس کی ہر ایک سورت ہر ایک آیت ہر ایک جملہ ہر ایک لفظ ہر ایک حرف ہر ایک نقط مثل کتاب فطرت کے انسانی دست برد سے ہر طرح محفوظ ہے۔ کتابت مسٹ جائے کاتب متجائین آنکھیں جو پڑھنے پڑھانے کی صلاحیت رکھتی ہیں نہ رہیں مگر نہیں مٹنے کا کلام نہیں مٹنے کا لائے کہ تَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اچھ شک نہیں کہ یہ قرآن پروردگار عالم کا اوتار ہوا ہے۔)

نہم ۲۔ صفات خداوندی کے سامنے ظہور سبب بہ اسباب ہیں تاکہ اخفا اور تنزیہ کی قدوسیت میں وجہ نہ آئے۔ دن و شب کے مٹنے سے اولاد ہوتی ہے تخم نری کرنے یا ہونے سے نباتات کی پیداوار ہے۔ اسی طرح نزو مادہ کے مٹنے سے حیوان کی تخلیق ہوتی ہے۔ اسباب تو واردے گئے مگر اس سے اسکی صفت خلاقی میں نکی ہوئی نہ وہ باطل ہوئی۔ بلکہ خلاق مطلق وہی ہے جسے یہ سب کچھ بنایا جو کوئی بنا نہیں سکتا۔ اسی طرح اسکی صفت کلام بھی ہے کہ اس صفت کے ظہور نے بھی رسول کی زبان کا ذریعہ اختیار کیا مگر اس سے اسکی صفت متکلمی باطل نہ ہوئی بلکہ صفت خلاقی اور صفت رزاقی کی طرح متکلم بھی وہی ہے جسکا کلام کلام اللہ ہے اس ذریعہ کی وجہ سے یہ کلام رسول کا نہ ہو جائیگا۔ پھر تکلم میں مضامین۔ معانی اور الفاظ تینوں ضروری ہیں کہ بغیر ان تینوں کے کلام نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ کلام اللہ کے مضامین۔ معانی اور الفاظ تینوں متکلم حقیقی کی صفت تکلم کے ظہور میں۔ اگر الفاظ غایب کئے جائیں تو ظہور میں ناقص سمجھا جائیگا مگر جس طرح اسکی کوئی صفت ناقص ظہور پذیر نہ ہوئی اسی طرح اسکی صفت تکلم بھی۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو صفت تکلم کا ظہور ہی رہ جائے گا۔

یہ تو کلام اللہ کے کلام کی نسبت ہوا۔ اب اسکے معانی اور معنائین پر نظر ڈالو۔

**نمبر چہتم** مذاہب اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں جو اپنی طرف بلا تے ہیں اور جسکے پاس الہامی کتاب ہونے کا بھی دعویٰ ہے ان کے پاس کہیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ یہ کتاب فی الواقع انھیں الفاظ میں ہے جو پیغمبر کی زبان سے نکلے نہ کلام الہی ہونے کا کوئی مدعی ہے اور نہ کلام رسول ہونے کے دعوے کا اُسکو حق ہو چکتا ہے۔ اگر ہو تو اسکا ثبوت نہ کوئی پیش کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے تو جب الفاظ کا کوئی ذمہ دار نہیں تو معانی کا ذمہ کون اٹھائے۔ ہم مسلمانوں میں قرآن مجید کلام اللہ مانا جاتا ہے اور حدیث کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کلام اللہ کے لئے مختلف ممالک کے حفاظ جیتی جاگتی شہادتیں ہیں اور مختلف ممالک کے قرآن آج تیرہ سو برسوں کے اتنے مزید زمانے کے گزرنے پر بھی انہیں نہ ایک لفظ کا فرق پایا جاتا ہے نہ ایک نقطہ کا۔ اور حدیث کے لئے اسماء رجال کی ضخیم کتابیں ہیں اور واروگیر کے شدید قواعد چچان بنان کی مزید درمزید احتیاط جسکی دوسری مثال اس عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ اسلئے کسی مذہب کی کوئی کتاب من حیث سند حدیث کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی۔ ہاں ملفوظات بزرگان دین کے درجہ کو پہنچتی ہے اسلئے فطرت میں جو خدائی نظم ہے اور جس نظم پر قرآن مجید ہے وہ نظم ان کتابوں میں کیا کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ یہیں ثبوت ہے کہ وہ کتابیں کلام ربانی نہیں ہو سکتیں۔ ہاں پیغمبر کی تعلیم کا مفہوم جو سمجھنے والے نے سمجھا سلسلہ وار کہانی کے طور پر کسی کسی نے ایک جگہ جمع کر دیا جو صاف ہوا پر تجلیل کا حال ہے تو جب الفاظ وہ نہ ہے تو غلطی کا امکان ہو گیا اور جب کلام اللہ نے اوسیں تحریرین کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کے ثبوت باوجود تحریف بھی اب تک پائے جاتے ہیں تو صرف انکاری یا تاویل جواب تردید دشمنی کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً حلیہ رسول کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت کی نسبت نبپشین گوئی ان - خیر ان سے بھی میں درگزر اسوجہ  
 انا جیل کو ادھا کر دیکھو تو وہ زیادہ حصہ حضرت مسیح کا سفر نامہ ہے اور جہان جہان وہ گئے  
 وہاں وہاں کے کارناموں کا خلاصہ - اندھے - لنگڑے - بولے - اور کڑھوں کا چنگا کرنا  
 تھوٹے کھانے سے ہتوں کو کھلانا - بھوت اور دیواواتارنا - بیماری سلب کرنا - مردے کو  
 زندہ کرنا اور اپنے کو بلکہ اپنے ہی کو منواتا ہے - یعنی جسنے مانا جسے بزرگی تسلیم کی وہ صرف  
 اس اعتقاد سے ان ان باتوں سے چنگا اور آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوا - اور وہ  
 باپ جو آسمان پر ہے اسکی عنایتوں کا حق ٹھہرا - اور اس کا بیان اسکی تعلیم اس کی ہدایت  
 تقریباً کہیں بھی نہیں کرنا کیا ہے اسکے صفات کیسے ہیں اسے کس طرح پاؤ اس کے  
 پر کیونکر ایمان لاؤ خدا کی نسبت کچھ نہیں یا اس سے بہت ہی کم بحث ہے - پھر یہ انجیل  
 وہ انجیل منزل کس طرح تسلیم کئے جائیں جس میں اصل غرض ہی قریب قریب فوت ہو -  
 احکام کو دیکھو اگر کوئی تمھارے ایک گال میں طانچہ مارے تو اس کے گتے دوسرا گال  
 بھی کر دو - کوئی تمھیں ایک کوس لیجائے تو تم دو کوس چلے جاؤ کل کے کھانے کا بندوبست  
 اور فکر نہ کرو نہ کل کے پہنے کا - نظر شوہت زنا ہے - اگر کسی پر پڑی ہو تو آٹکے کھال ڈالو اگر  
 کوئی چاہے کہ تیری قبائے لے تو اسے کرتے بھی اتار لینے دے - اپنے دشمنوں کو پسپا کر دو  
 کیونکہ اگر تم اونہیں پیار کرو جو تمھیں پیار کرتے ہیں تو تمھارے لئے کیا اجر ہے -

ایسے احکام جو بالکل فطرت کے خلاف ہیں اس خدا کے جس نے فطرت بنائی ہے  
 نہیں ہو سکتے - بظاہر خوش کن الفاظ سے نرمی و اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے - مگر جو فطرت  
 کے خلاف یا فطری قوت سے باہر ہو وہ اخلاق نہیں ہے - فی زمانہ جو روشن کہا جاتا ہے  
 ایسی تیز روشنی میں بھی کون شخص اسکا عمل ہے یا ہو سکتا ہے اور جو کوئی اسکا عمل ہو بھی وہ

دیوانہ یا مجبوط الحواس کہا جا گیا نہیں۔

ایک گال میں ٹھانچہ کھا کر دوسرا گال بھی سامنے کر دینے کا حکم ہے تو یہ مار کھانے کی عادت کیوں نہیں اختیار کی جاتی ہے۔ اگر کوئی قلی جو دیرہ دو دن سے مسوری تک مقرر کیا گیا ہو ایک کوس کے بدلے دو کوس چلا جائے اور چکرو تہ پہاڑ پر جا کر ٹھہرے تو دوئی مزدوری پانے کا سحق ہو گا۔ مستوجب سزا۔ جہاں کل کے کھانے اور پینے کی فکر ممنوع ہے وہاں تکلفات کے اتنے جھگڑے اور اتنی پیش بینیاں کب سزاوار ہیں۔ کیا پتھر بہ کتاب ہے کہ حسینوں کو دیکھ کر آزادی کے حقوق رکھتے ہوئے نظارہ بازی کا دم بھرو اور آنکھیں دھمپلین۔ پھر انصافاً اور قانوناً کتنے ایسے نکل سکتے ہیں جو آنکھیں بچالے جانے کے مستحق ہیں۔ چین میں جو چند پادری ماے گئے تو کیوں نہیں دس بیس اور پیش کر دیے گئے کہ انھیں بھی مار ڈالو یہ دوسرے گال بھی حاضر ہیں یا چورون اور رہزنوں باغیوں اور سرکشوں کو کیوں نہیں اسی قدر حصہ یا انعام اور دیدیا جاتا کہ تباہی نہیں کرتے بھی حاضر ہے دشمنوں کو پیار تو وہی کرے جو آگ میں کوئے یا سانپ کچھو کا نارنگے میں ڈالنے کیا اسکا مل کہیں چڑھائی کر سکتا ہے فاتح ہو سکتا اور کہیں مارشل لا جاری کر سکتا ہے جہاں یہ احکام ہوں جو نہایت اخلاقی سمجھے جاتے ہیں وہاں پھر مقدمات کیسے۔ ان جگہوں میں دنیا بوجہ کے مرتکبوں کسی کو بے عزت دے آبرو کر نیوالوں۔ چورون رہزنوں وغیر ہم کو بجائے سزایا ملامت کے پیار کرنا فرض ہو گیا اگر چہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہوں کیا ایسے احکام پر کبھی عملدرآمد ہوا ہو سکتا ہے۔ کیا خداوندی احکام ایسے ہی ہوتے ہیں کیا عمدہ اخلاق اسی کو کہتے ہیں جو خلاف فطرت و ناقابل عمل ہو۔ ایسے حکام کبھی خداوندی نہیں ہو سکتے اور اسلئے مسجد وہ اناجیل وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت

سبح علیہ السلام پر اوتری تھی یا بمقابلہ قرآن بالکل ناقص ہے۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح  
 نظم فطرت پوشیدہ اور انسانی دست برد سے محفوظ ہے اسی طرح اوسکا کلام اوسی  
 نظم فطرت کے مطابق منتظم اور حفاظ کے دلون میں انسانی دست برد سے محفوظ ہے  
 جس طرح فطرتی مخلوق کی سی کوئی چیز نہیں بن سکتی اسی طرح قرآن کی آیتوں کی سی ایک  
 سورت بھی نہیں بن سکتی اور وہ بنی۔ جس طرح فطرتی تاثیریں دلون پر خاموش اثر کرتی ہیں  
 اسی طرح یہ واقعہ قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کو صرف سن کر ہی جوق جوق  
 جماعت مسلمان ہوئی۔ جس طرح صانع اپنی مصنوعی چیزوں سے پہچانا جاتا ہے اور  
 خدا اپنی بنائی ہوئی فطرت سے اوسی طرح وہ اپنے کلام سے بھی پہچانا جاتا ہے یہ مطابقت  
 بھی کلام اللہ ہی کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ اوس میں ہر جگہ اوسی کی صفیتیں اوسی کی  
 قدرتیں اوسی کی توحید اور اوسی کی تنزیہ ظاہر کی گئی ہے اور ہر مقام سے اوسی کی عظمت  
 و جلالت اور اوسی کی جبروت و کبریائی ہوئی ہے۔

# احکام قرآنی

احکام قرآنی کو دیکھو جسے جسم و روح دونوں کو مرکب کیا۔ دونوں پر ایک دوسرے کا اثر ترتب کیا۔ اوسے جن جن اعضا پر نفس و روح کی حکومت قائم کی یا نفس و روح کو جو جوارح بطور آلے کے دیے وضو میں اونہیں اعضا اور جوارح کو دھونے اور پاک کرنے کو کہا ظاہر ابھی اور باطناً بھی۔ پھر اونہیں اعضا کو نماز میں حرکت کرنے اور معبود حقیقی کے سامنے جھکنے کو کہا۔ اعضا کے لئے تو ارکان بتائے اور روح کے لئے خضوع و خضوع کو لازم کیا اور طرز عبادت بھی ایسا بتایا جس میں روح اور سائے اعضا عبادت میں مصروف ہوں جنہی طرح سے عبادت اور فروتنی ممکن ہے وہ اس طرح سے ادا کی گئی اور بتا دی گئی۔ اور ساری صورتیں عبادت و فروتنی کی اس ایک طرز نماز سے ظاہر کی گئیں پھر کیا کوئی طرز عبادت اس سے کامل تر یا اس سے بہتر ہو سکتا ہے جو اقتضای فطرت کو پورا کرے اور اسکے قول و فعل کے مطابقت کی بین اور مکمل مثال ہے۔ پھر شب و روز: فطرت کی ہر تبدیلی اپنے بدلنے والے کی طرف متوجہ کرتی ہے تو قرآن نے وہی اوقات پنجگانہ نماز کے بھی مقرر کر دیے جسے روحانیت کی ترقی کو نفسانی خواہشوں کے روکنے کا آلہ قرار دیا۔ جس نے درد سنے اور سمجھے کو دکھ درد والوں کی مدد کے لئے ضروری قرار دیا۔ جسے صبر و شکر کو ساری ترقیوں کی کیا دینی اور کیا دنیاوی جزا اور بنیاد بنایا اور نیک چلنی کے لئے اصول قانون اوس نے ایک مہینہ روزہ رمضان کا بھی فرض کر دیا۔ جسے صحبت میں تاثیر رکھی۔ اتفاق کو طاقت دی۔ تہاد و خیالات کو

نتیجہ بخش بنایا اور سفر کو وسیلہ ظفر قرار دیا اور منہ مقدور ہونے پر حج کو بھی لازم کیا۔ جسے زن  
 فرزند مان باپ دادا نانا اور قرابت مندوں کی محبت فطرت میں رکھی ہے اس نے  
 اسی نسبت کے ساتھ برتاؤ اور صلہ رحم کا حکم دیا اور اسی نسبت کے ساتھ وراثت کا  
 قانون اور سامعے حقوق اور فرائض بھی ٹھہرائے۔ جسے بدیہی طور پر یہ دکھلایا ہے  
 کہ گرم ملک ہو یا سرد زمین زیادہ پیدا ہوتی ہیں اسنے بلحاظ ان کی پیدائش اور ان کے  
 بانجھ ہونے اور ایام گل ایام نفاس اور ایام رضاعت کے مردوں کو چار نکاحوں تک  
 کا مجاز بھی کیا ہے۔ جسے فطرت میں عنفوی قوت اور جوش انتقام دونوں رکھا ہے۔ اسنے  
 معاف کر دینے کے بھی اجر بتائے اور انتقام کی بھی اجازت دی جسے انسان کو ایک  
 آدم سے پیدا کیا گیا ہو یا ہر آدمی ایک دوسرے کا قاتل بنا دیا گیا ہے اسنے حکم بھی یوں دیا  
 کہ جو کچھ اپنے لئے چاہو وہی دوسروں کے لئے بھی۔ اسی اصول پر سود کو بھی حرام کیا اور  
 زکوٰۃ کا بھی حکم دیا اور اسی اصول پر جنگ و جہاد کے قیدی یعنی ملوک و غلام کے لئے بھی  
 ایسے ہی برتاؤ کی تعلیم دی کہ قید کرنے سے بہتر ہے کہ تم انھیں خاندان کا ایک جزو بنا لو  
 اور آزاد کرو تو سبحان اللہ کیونکہ تم نے انھیں جان دیکر حاصل کیا ہے۔ ان کے قتل سے  
 درگزر اور اونکو آزاد کرو تو یہ غایت نفس کشی اور موجب فلاح داریں ہے اور اگر آزاد  
 نکر تو ان کے ساتھ رحمانہ برتاؤ کرو۔ یہ قانون اس طرح برت کر دکھا دیا گیا جسکی مثال  
 برادرانہ برتاؤ میں بھی نہیں مل سکتی۔ جسے انسان کو بوجہ بالا چار نکاحوں کا مجاز کیا ہے  
 لیکن فطرت میں اختلاف مزاج بھی رکھا ہے اور اس اختلاف کے خطرناک نتائج بھی  
 دکھا دیے ہیں اور اسنے بلحاظ فطرتی سوز مزاجی اور عورتوں کی بدچلنی اور شبہ اختلاف نسل  
 کے طلاق و خلع کی رخصت بھی دیدی تاکہ فطرت کا یہ خوشنایابغ اسکے لئے جہنم نہو جائے

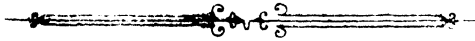
جس نے عورتوں کے ساتھ فطرتی مجبوریاں لگا دی ہیں اُسے انکو مہر و نفقہ بھی دلایا ہے جس نے روزی دی اُسے زکوٰۃ و صدقہ بھی لازم کیا اور نہ ہونے پر زمین نصبت کی حالت میں شکر واجب کیا اور احتیاج میں صبر و شکر و صبر و نون میں لذتیں بھی دین اور دونوں پر بڑے برابر بھی کر دیئے جسے ہاتھ پاؤں دیئے اُسے کمانے کو بھی کہا جسے طلبہ اند کی خواہش طبیعت میں رکھی لیکن اللہ اور حد سے تجاوز کرنے کو نقصان رسان بتایا اُسے توکل و قناعت کا بھی حکم دیا۔ جسے ایک حد تک اختیار دیا اوس نے ہمت بھی دی اور ہمت سے کام لینے کو بھی کہا جس نے ایک حد تک مجبور بنایا اوس نے رضا و تسلیم کی قوت بھی دی اور رضا و تسلیم کا حکم بھی دیا جسے جسم روح عقل جو اس اور جذبات عنایت کئے اون میں قوتیں دین اور انھیں مفید اور مضر دونوں اہین بتلا دین اُسے انکی تعلیم و تربیت بھی اوسی مطابقت سے کی اور اسی لئے قرآن مجید اتارا جسے دنیا کو اس قدر دلفریب اور خوشنما بنایا مگر اس میں چنگاریاں چھپا رکھیں اوس نے دنیا سے متنوع ہونے کے طریقے بھی بتلا دئے مگر نہ اس انہماک کے ساتھ کہ ایک دن چپتا کر یہ کہنا پڑے کہ شَغَلْتَنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُنَا (مال اور اہل نے ہمیں مشغول کر لیا) جسے عقل و دور اندیشی دی اوس نے کل کی فکر کرنے کو بھی کہا مگر نہ اس حد تک کہ ایک دن یہ سننا پڑے کہ اَرْضَيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ (کیا تم بغا بلا آخرت کے تم دنیا ہی پر راضی ہو گئے) جسے جسم و روح دونوں کا مجموعہ انسان کو بنایا اوس نے ہسانی و روحانی دونوں طرح کے احکام بھی صادر فرمائے۔

جس خدا نے فطرت کا باغ لگایا اوسکی مرضی ہے کہ اُسکا باغ ہر ابھرا پھلا پھولا آباؤ و شاداں پر ہے اس لئے اوسی نے دانا و مینا باغبان بھی بھیجے کہ اس باغ کی سیر

کرنے والوں کو گلزاروں اور نہروں سے مستفیض ہونے کی راہ بتلائیں تو ہر پلے درختوں اور خاردار شاخوں سے نالو لکھنے اور بچ نکلنے کی بھی تدبیریں سکھائیں اسلئے اوامرو نواہی دونوں کی ضرورت تھی۔

بیچو کی بہت بڑی ودیعت وقت اور عقل ہے اسلئے وہ کل چیزیں جو باعث تضییع اوقات اور عقل کے بے حس کرنوالی ہیں ممنوع ہوئیں اسلئے کہا گیا کہ شراب اک بری بلا ہے اسے منہ لگانا آج تیرہ سو برسوں کے بعد علم کا یہ ناز صحیح ہو سکتا ہے کہ اسلئے اسکے عیب و نقص پر اطلاع حاصل کی جہاں علم کی گرم بازاری ہے وہاں اسکا ترک بھی شروع ہو گیا ہے۔ کہا گیا کہ زرد اور جوئے سے بچو کیونکہ ان میں نیچر کی ودیعت عظمیٰ یعنی وقت ضائع ہوتا ہے۔ کیا وقت کے ضائع کرنے سے بھی بٹھا فطرت کا پانا یا اپنے اہل حقوق کا کوئی بڑا جرم ہے۔ کہا گیا کہ سورہ کھاؤ آج صدیوں کے بعد علم نے دریافت کیا کہ اوس کے گوشت میں کیڑے ہیں۔ اور اسکا کھانا سوائے طرح طرح کے نقصانات کے کسی طرح فائدہ مند نہیں۔ جسے حیا وغیرت دی اوس نے بے حیائی کو بھی منع کیا۔ جسے فطرت میں یہ انتظام رکھا کہ عقل راہ دکھلائے ہاتھ پاؤں کماے منہ کھائے معدہ ہضم کرے جگر خون کو صاف کرے تب اوس پر روح اپنا پورا صحیح تصرف کرے اور اس میں سے اگر کوئی کل بگڑ جائے تو سارا نظم درہم و برہم ہو جائے اوسی نے یہ حکم دیا کہ آپس میں اتفاق کرو اور سب کے سب بھائی بن جاؤ۔ چوہے نہ ڈالو رنہ گھانا اور ٹھاؤ گے تفصیل کی تو گنجائش نہیں یہی حال سائے اوامرو نواہی کا ہے جو مطابق قانون فطرت ہر طرح فائدہ مند اور نقصان سے بچانے والے ہیں اسلئے جب تک فطرت رہیگی یہ قانون ہے گا۔ فلا تغرت کم الحیوۃ الہدنیٰ

لَوْلَا يُعَرِّتُكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورَ ۝ چونکہ فطرت یعنی افعال خداوندی کی کنہ تک  
 رسا ہونا انسانی پرواز سے باہر ہے اسلئے اوس نے لکھ کر بتا کر بھگا کر بذریعہ اپنے کلام کے  
 مطلع اور مشنبہ کر دیا پھر جو سمجھ کر یا مقلدِ عمل ہوتے ہے فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُمْ عَلَى اللَّهِ  
 تو اودن کا اجر خدا کے ذمہ ہو گیا) وہ کامیاب ہے اور جو اپنی سمجھ کے پیچھے چلے وہ گھلے  
 میں ہے وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (تین علم تو محض مختصر سا دیا گیا  
 ہے) غرض خدا نے احکام بھیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پونچھا دیے اور میں نے  
 سمجھا دیے۔ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۝ جس نے اچھے  
 کام کئے تو اپنے لئے اور جس نے بُرے کام کئے تو اوسکا وبال بھی اوس پر ہے۔



# قرآنی قصص

قرآن مجید میں عبادات، معاملات، اخلاق، اور تمدن کے متعلق جو احکام ہوتے ہیں بھیجی ہوئی ہیں وہ اختصار کے ساتھ بیان کی گئیں کہ یہ بالکل فطرت کے مطابق ہیں اور اسی ایک خالق کی بھیجی ہوئی ہیں۔ اور جس نے فطرت بنائی اوسے نے یہ ہدایتیں بھیجیں اختصار کے سوا چارہ نہ تھا کیونکہ یہ مختصر سا سالہ تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اگر یہ سالہ مقبول ہوا اور تفصیل کی ضرورت زیادہ محسوس ہوئی تو انشاء اللہ دوسرا سالہ بھی جو اسکا دوسرا حصہ ہوگا شائع کیا جائیگا جس میں تفصیل کے ساتھ سارے احکام اور ہدایتوں سے بحث ہوگی اور اسرا قرآنی اعلان کے ساتھ منکشفہ کے باپے گیارہ قرآنی تصوف کی روشنی بقدر امکان پھیلائی جائیگی۔

قرآنی قصص جو ہدایتوں کو موثر بناتے ہیں کیونکہ تمثیل سے باتیں دلوں میں زیادہ گہرائی ہوتی ہیں وہ کوئی تھوٹی کمائیاں نہیں ہیں اور نئے نتیجے ہیں۔ نتیجے تو اعلیٰ تالیف اشارتاً نماں ہیں مگر انکے حق ہونے سے بھی انکار کا کوئی حق نہیں ہے جبکہ تاریخ کی بنا ہی متناسباً تھوڑے زمانے سے ہے تو اسکے وجود کے پہلے کے واقعات سے کس اصول پر انکار ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ چونکہ ایسے واقعات خلاف فطرت ہیں اسکے قابل تسلیم نہیں ہیں کافی نہیں ہے۔ اسکے لئے قانون فطرت کو دیکھنا چاہئے کہ وہ ہے کیا۔ فطرت کے جس قانون کو اوٹھا کر دیکھو تو اکثر اوس میں مستثنیات ملین گے اور استثنیا ہی سے وہ قانون مضبوط و مستحکم کیا ہوا ملے گا۔ تبدل فطرت اور انقلابات عالم میں فرق ہے

فطرت میں تبدل نہیں ہو سکتا مگر انقلاب عین فطرت ہے۔ مثلاً قانون یہ ہے کہ زلزلہ شو کے کچھ ہونے سے آدمی پیدا ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ انسان کے لطف سے حیوان پیدا ہو یا کوئی نئی مخلوق۔ مگر عورت کے پیٹ سے بکری یا سانپ پیدا ہو سکتے ہیں یا ایسا بچہ پیدا ہوا ہے کہ تمام جسم سے تو دوہین گرو پیٹ معدہ اور جگر وغیرہ دونوں کے ایک ہی ہیں۔ اور تاریخ اسکی بھی ایک نہیں چند شہادتیں دسینے کو تیار ہے کہ بے باپ کے اولاد پیدا ہوئی۔

علیٰ ہذا زمین پر جا بجا پہاڑ بھی ہیں اور پہاڑوں کے سلسلے بھی گردنیا میں چند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن سے آگ نکلتی ہے اور جن کو آتش فشان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے شہاب ہر وقت نہیں گرتے کبھی کبھی دو ایک گرے مگر چند برس ہوئے کہ دیکھا گیا کہ گھنٹوں شہاب کی آتش بازیان چھوٹی رہیں اور وہ بھی اس کثرت سے کہ زمین پر اس بہتات سے آسمانی تارے بھی کبھی چھوٹتے دکھائی نہ دیے ہونگے۔ یہ نظارہ کس نے نہیں دیکھا۔ درختوں کو دیکھو مردہ صفت بے ارادہ و قصد کھڑے ہیں اور جس طرح یہ دکھائی دیتے ہیں یہی انکی فطرت ہے مگر بعض درخت آدم خوار بھی ہیں کہ حیوان انسان کو اپنی طرف کھینچتے اور چوس لیتے ہیں۔ بعض پودے ایسے بھی ہیں کہ اون کا چھونا گویا بچھو کا ڈنگ مارنا ہے یا اون پر سایہ پڑا اور وہ لجا گئے۔

کیا یہ زمین خلاف فطرت ہیں۔ نہیں۔ بلکہ مستثنیات ہیں اور واقعات سزا دہ جو خلاف فطرت نظر آئیں وہ بھی داخل فطرت اور موجب عبرت ہیں۔

زمین تو دیکھو کہ متحرک ہے مگر زلزلہ کے باعث نہیں اور کبھی کبھی زلزلے بھی آجاتے ہیں جن سے مکان منہدم ہو جاتے اور بستیاں غائب ہو جاتی ہیں دو منزلی عمارتیں

اک منزلی ہو جاتی ہیں اور پہلی منزل اس طرح غائب ہو جاتی ہے کہ گویا زمین بھٹی اور وہ سما گئی ایسے واقعات برابر دیکھے جاتے ہیں۔ اسی ہندوستان میں چند برس ہوئے کہ زلزلہ آیا اور ایسے واقعات مشاہدہ ہوئے۔

سائنس کی طرح میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ یہ واقعات بے علت اتفاقہ ہوئے یا ہوتے ہیں عالم اسباب میں بے علت کچھ بھی نہیں ہوتا۔ چاہے علت معلوم ہو یا صرف خدا ہی کے علم میں ہو۔ مگر جب ان خلاف معمول واقعات کو یہ کہہ کر کہ خلاف فطرت ہے انکار نہیں کیا جاتا تو پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے جو بستیاں یا آبادیاں ویران ہیں اور اولٹ دی گئیں اور علیٰ ہذا ایسے سارے واقعات ان سے انکار کا کیا حق ہے حالانکہ خدا اور خدا کی خدائی اور اس کے قدرت و اختیار پر ایمان بھی ہو۔ پھر خدا کا ایسا کرنا بھی عین فطرت ہے کیونکہ فطرت تو خدا کے فعل ہی کا نام ہے نہ فطرت خالق ہے نہ خالق کا مجبور کرنے والا قانون۔ اور پھر اس سے فطرت بدلتی نہیں بلکہ اس کا قانون قوی ہوتا ہے فطرت بدلنے کے یہ معنی ہیں کہ زمین کی گردش بدل جائے ستاروں کی کشش اولٹ جائے پانی آگ کا اور آگ پانی کا کام دیا کرے خوارق عادات سے فطرت بدلتی نہیں قوی ہوتی ہے۔ اگر وہ خوارق ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائیں تب کہا جاسکتا ہے کہ فطرت بدل گئی۔ مثلاً چلنے کا کام پاؤں کا ہے اگر کوئی شخص کوس دو کوس بھی ہاتھ کے بل چلا تو اس سے یہ نہیں کہا جائیگا کہ فطرت بدلی ہاں اگر سارے انسان ہاتھ ہی کے بل چلا کریں تب کہا جائے گا کہ فطرت بدلی۔ اور یہ خلاف فطرت ہے۔

# قرآنی معجزات

بعضہن نے تو صرف قرآن ہی کو معجزہ تسلیم کیا اور سارے معجزات سارے پینمبرون کے جو قرآن مجید میں ظاہر مذکور ہیں اون کی تاویلین کر دیں۔ اور اس طرح اپنی اور مخالفوں کی تشفی کی۔

اگر کوئی یہ تاویل تسلیم نہ بھی کرے تو جس خدا کی ہر ایک مخلوق ایک معجزہ ہے وہ ہر ان طرح طرح کے معجزے دکھا سکتا ہے۔ جیسے زن و شو کے ملنے سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ اس میں ذریعہ زن و شو ہے اور اس میں پینمبران۔

اگر کوئی ان معجزات کو عقل ہی سے سمجھنا چاہے تو اسکی راہ بھی بند نہیں۔ ایک ایسی صورت پیش کی جاتی ہے جس سے معجزات قرآنی جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان سے بھی انکار کا کوئی حق نہیں باقی رہتا اور اس پر بھی عدم تاویل کی ضرورت سمجھ میں نہ کہے تو یہ عقل کا قصہ اور سمجھ کا کھوٹ ہے۔ یہ کب سمجھ میں آتا تھا کہ کسی شخص نے جھاڑ دیا یا پھونک دیا یا ذرا توجہ سے دیکھ لیا تو اچھا خاصہ آدمی بیہوش ہو گیا۔ یا بیمار ڈیفرانس اور مایوس الحال کو صحت ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہوا تو ایسا کہ عمل سر جہری سے بھی اُسے ہوش آیا۔ اور یہ جو صحیح ہوا تو ایسا کہ سارے معالجات ناکام سے اور یہ کامیاب علی ہذا ایسی ساری باتیں کرا متین شمار ہوتی تھیں اور خلاف عقل کہہ کر ان سے انکار کیا جاتا تھا مگر مسکرم نے ثابت کر دیا کہ یہ تو قوت ارادی (ول پاور) کی ادنیٰ کراست ہے ایسی باتیں رات دن مشاہدہ ہوتی ہیں اور اب ان سے انکار نہ رہا۔ اس لئے مناسب

کہ پہلے میں سمرزیم کو کچھ سیریاں کروں۔ پھر کرامت کو پھر معجزات کو تاکہ مضمون مردہ دل وضع ہو جائے سمرزیم اک قسم کا جوگ ہے اس میں خیال سب طرف سے سمیٹ کر یکسو کیا جاتا اور کسی ایک چیز میں محو یا فنا کیا جاتا ہے۔ اہل سمرزیم یہ عمل کسی مقابل شخص کے ساتھ کرتے ہیں اور جوگی کسی بت کے ساتھ۔ اس ریاضت اور اس مشاقی سے خیال میں طاقت و قدرت پیدا ہوتی ہے جس سے ہزاروں کرشمے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تو ول پادور کا فروغ ہے۔

اور صوفی بھی ساری صورتیں اور خیالوں سے ٹوٹ کر اس میں یا اس کی ڈھونڈ میں یا کسی لطیف کیفیت میں محو یا فنا ہوتے ہیں جو بے صورت اور خیال سے پرے ہے۔ جوگ یا تصوف تھکنگ پاور یعنی خیال کی قوت کا فروغ ہے۔ قطع نظر اور فرقوں کے اہل تصوف اور جوگی یا اہل سمرزیم سے فرق یہ ہے کہ آخر الذکر محدود اسفل شے میں فنا ہوتے ہیں اس لئے ان کی یافت اور انکی کیفیت محصول بھی اسفل ہے۔ اسی لئے اُسے سفلی کہتے ہیں اور چونکہ صوفی غیر محدود اور اعلیٰ سے اعلیٰ صفات میں فنا ہوتے ہیں اسلئے ان کی کیفیت محصول اعلیٰ ترین مدارج تک رسا ہوتی ہے اور اسی لئے اُسکو علوی کہتے ہیں۔ اسی سفلی کا نام استدراج ہے اور علوی کا نام کرامت یہی استدراج جادو ہے اور اسکو کرامت سے وہی نسبت ہے جو ساحروں کے سحر کو عصا و ہوسوی سے تھا۔ اک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ سمرزیم کا مقصود بالذات یہی ارادی قوت کے کرشمے یعنی ول پادور کے تماشے ہیں اور بس اور صوفیہ کا مقصود بعد از فنا و محویت صرف ذات خداوندی ہے مگر اونہیں اک کیفیت حاصل ہوتی ہے جسے بقا کہتے ہیں۔ چونکہ سمرزیم کا مقصود بالذات وہ ہوتا ہے اس لئے وہ اسے قاعدے قانون سے

مرتب کرتے اور کوششے دکھاتے ہیں اور چونکہ یہ صوفیوں کا مقصود بالذات نہیں ہوتا اسلئے  
یہ اسکو سزاوارہ یا راہ کے کانٹے شمار کرتے ہیں کیونکہ اس دکھاوے میں انسان اپنے مقصود  
سے دور ہو جاتا اور اسکے پانے سے باز رہتا ہے۔ اس لئے مسمریزم کا اظہار اختیارانہ  
ہے اور صوفیوں کا اظہار اضطرارانہ۔ پھر ادنیٰ درجہ کی چیز مسمریزم تو تسلیم کی جائے اور کرامت  
سے انکار ہو کس بنا پر۔ وہ تو سمجھ میں آئے اور یہ ذائقے کے عقل سے۔

پھر جس طرح کرامت (تھنکنگ پاور) خیالی قوت کے اعلیٰ درجہ کا اہال ہے  
اسی طرح مجرہ (سول پاور) روحانی قوت کے اعلیٰ درجہ کا اہال ہے جسکا جیسا ظفر  
اوسکا ویسا اہال جس طرح یہ کرامت اضطرارانہ ہے یہ مجرہ محکومانہ ہے یعنی وہ بذریعہ الہام  
ہے۔ اور یہ بذریعہ وحی۔ پھر جو نسبت جسم کو خیال کے ساتھ ہے وہی نسبت خیالی قوت  
(تھنکنگ پاور) کو روحانی قوت (سول پاور) کے ساتھ ہے تھنکنگ پاور کے  
مشاہدہ اور مان لینے کے بعد سول پاور سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ بھی خیال  
رکھنا چاہئے کہ جبکی فطرت نبوت کی ہوتی ہے اوسی کی روح کا اقتضا ہے کہ اوس میں  
سول پاور اچھا پورا جوہر دکھائے ہر درخت آمنہ میں ہوتا اور نہ ہر آم ایک ذائقہ کا ہوتا ہی  
اے لوگو! یہ مسمریزم تمہیں مجبور کرتا ہے کہ تم کرامات و معجزات پر ایمان لاؤ اور ذرہ  
سے آفتاب کو پہچانو۔ انصاف کی عینک لگا دیکھو کہ اہل مسمریزم اور جوگی جنہیں کس قدر  
ول پاور اور تھنکنگ پاور حاصل ہے وہ تو اپنے خیال کا القایہ شخص پر کرین جسکا  
خیال خود اپنے خیالوں سے بھرا ہوا اور وہ شخص جسے (سول پاور) روحانی قوت حاصل  
ہے وہ روحانی قوت کا القامردہ میں نہیں کر سکتا لکن اسلئے یہ تجلات فطرت کیوں ہوا۔  
اہل مسمریزم تو درخت کو ادا کھاڑ سکتے اور اپنی جگہ سے بے جگہ کر سکتے ہیں اور وہ جسے

روحانی قوت (سول پاور) حاصل ہے وہ عالم علوی کے کسی شے کو ذبے جگہ کر سکتا  
 نہ ہو مگر کر سکتا ہے ہر دور کر سکتا ہے مان اوس کا محو ہونا ایسا احم ہے کہ اس کا  
 ارادہ کیا بلکہ وہ ہمارا محو اور فنا ہے اسلئے وہ اپنے قصد سے کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کے  
 پاس اپنا قصد ہی نہیں ہے بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ اُس کے ارادہ سے کرتا ہے۔  
 جس میں وہ محو ہے۔

اس سے فطرت کا تبدیل زمین لازم آتا بلکہ یہ تو ایسے ہی تبدلات ہیں جو فطرت  
 میں ہوا کئے ہیں۔ ایسے تبدلات تو فطرت ہی میں ہوتے ہیں یعنی تبدیل ہونا بھی میں  
 فطرت ہے۔

سائنس جب ایٹم میں تبدیل مانتا ہے تو فطرت جو ایٹم سے ہے اُس میں تبدیل  
 کیون نہ تسلیم کیا جائیگا۔ دران حالیکہ ذریعہ میں اصول کی خصوصیتوں کا منتقل ہونا سائنس  
 کا مسلم قانون ہے پھر تبدلات جو ایٹم میں تسلیم ہوئے وہ فطرت میں کیون نہ تسلیم ہونگے  
 انقلاب عالم اسی کا نام ہے چاہے علت انقلاب معلوم ہو یا نہ ہو۔ پھر کسی انقلاب  
 کی علت اگر سول پاور ہے تو وہی معجزہ ہے جو ثابت کیا گیا کہ از رو سے سائنس ٹھیک  
 اور بالکل مطابق فطرت ہے۔ یہ بیان مجھے ایک حکایت یاد آئی جو مطابق واقع ہے  
 اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک شخص کسی پہاڑ پر بود و باش رکھتا تھا اوس کے  
 ایک بیٹا بھی تھا دونوں روز آد اپنی محنت سے اپنا آذوقہ تو جنگل سے پیدا کر لیا کرتے  
 تھے۔ مگر اوس بڑے کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ روز کچھ نہ کچھ تانے پھول لے آیا کرتا  
 تھا اور اپنے جھوپڑے میں رکھ چھوڑتا تھا لیکن جب وہ پھول باسی ہو جاتے تھے  
 تب بھی اون کو طی حالہ رہنے دیتا تھا جب اوسکی موت کا زمانہ آچو پھا تو اُس نے

اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جان پدیر میرا دستور قائم رکھنا پھول کچھ نہ کچھ تو روز لانا مگر ہاسی  
 پھولوں کو پھینکنا نہیں جس طرح میں اونکو رکھ چھوڑتا تھا اسی طرح تم بھی رکھ چھوڑنا جب  
 جب وہ مر گیا تو بیٹے نے خیال کیا کہ ابا جان بھی کس پرانے خیال کے تھے جان بھدر  
 خوشنما خوش رنگ خوشبو پھول کھلے ہوئے ہوں وہاں ہاسی پھولوں کا انہا رجس غلام  
 عقل اور سلیقہ کا بھونڈا پن ہے (جیسے آجکل کے نو تعلیم یافتہ تعلیم مذہبی کی نسبت  
 سمجھتے ہوئے ہیں) غرض اوسنے سائے انہار کو باہر پھینکو ادا اور تانے پھولوں سے  
 پاتا جو پنڑا آ رہا ہے اور یہ نہ سوچنا کہ باپ کی نصیحت پدیری گہرے تجربوں اور  
 دو ساندیش عقل پر مبنی تھی یا دیوانگی پر؟ آخر اوس کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑا اصل حقیقت  
 یہ تھی کہ اوس پرانے میں ایک اثر دہا رہتا تھا جس کو اوس بڑھے نے بارہا آزمایا تھا  
 کہ وہ ہاسی پھولوں کی بو سے بھاگتا ہے اور ان جنگل پھولوں کی ہاسی بو اس اثر ہے  
 کے لئے تریاک ہے اسلئے اگرچہ وہ اثر دہا روز ادا اوس کے چھو پنڑے کی طرف آنکلتا  
 تھا مگر ہرے ہی پرے چلا جاتا تھا۔ جب یہ مزاحمت اوٹھ گئی تو وہ آیا اور اس  
 جھوپڑے کے مالک کو مسلم ٹھکل گیا۔ ما حاصل یہ نکلا کہ ادا سے فرایض و پابندی  
 احکام جو تم روز کرتے ہو اگرچہ یہ ہاسی پھول ہو جائیں مگر انہیں غفلت گناہوں  
 کے ہاتھوں نہ پھیب نکدور روز تانے پھول لایا کرو کہ یہی دوسرے دن ہاسی ہو جائے  
 مگر ہاسی پھولوں کو بھی رہنے دو تاکہ نفس کا اثر دہا جو انہیں پھولوں سے بھاگتا ہے  
 تمہیں ٹھکل نہ جائے۔ دیکھو! احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرو۔ اگر اسکے منافع تمہاری  
 سمجھ میں آجائیں تو شکر کرو اور سمجھو کہ تمہاری سمجھ وحی کی ترازو پر ٹھیک اوتری۔ اور  
 اگر سمجھ کوتاہی کرے تو صبر کرو اور سمجھ کی فصیح اور تربیت میں لگے رہو مگر اس

حفلت کے ساتھ کہ وہ اژدہا تمہارے گھر میں راہ پائے اور تمہیں نابود کر دے۔  
 وحی الہام سے تو اٹھ نہیں سکتی اور سمجھ سے کیا اونٹنی گی۔ **لَوْ آسَفْنَا**  
**هَذَا الْقُرْآنَ عَنِ الْجَمَلِ لَمَّا آتَتْهَا خَاشِعًا مَّصَدَّرًا عَلَّامًا خَشِيَ اللَّهُ**  
 اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اوتارا ہوتا تو اسکو دیکھ لیتے کہ خدا کے ڈر کے مارے  
 جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا۔ (الہام سے وحی کے روز منکشف ہوتے ہیں  
 اور سمجھ سے الہام کے رموز۔

توحید۔ رسالت۔ اور قرآن یہ تینوں اسلام کے اصل اصول ہیں جو بیان کئے گئے۔  
**وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ**  
**مِنَ الْخَسِرِينَ** (جو کوئی دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین ڈھونڈھے گا تو وہ ہرگز  
 مقبول نہوگا اور آخر کار وہ گھانا اوتھائیگا۔) اگر طالب کی طلب صادق ہے۔ اور اگر  
 اوس میں اخلاص ہے۔ اگر اُسے فہم سلیم اور حق پسندی فطرت سے عطا ہوئی ہے  
 تو وہ زبان سے دل سے اور ایمان سے بول اوٹھے گا کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ**  
**رَسُولُ اللَّهِ وَالْفَرَقَانِ كَلِمَاتُ اللَّهِ** ۰

# طالب

بیٹے آپ کی تقریر سنی اور گوش دل سے سنی الحمد للہ علیٰ احسانِ جہی بلا شبہ  
 کائنات کے ہر ذرہ وحدہ کالکلیہ کے لئے کی وحدانیت اور یکی لیکتائی  
 اسکے جمال و جلال کی قدوسی اور سکے صفات کے غیر محدود ہونے کی شہادت یعنی ساری  
 وجود کا وجود حقیقی کا آئینہ ہونا بلکہ اسکے وجود بیچون و بیچگون کی دلیل بنی ہونی ہر ایک  
 مشاہدہ میں اسی کی نظر بازی اور ہر ایک سماعت میں اسی کی آواز کی دھمک سنائی  
 یعنی اور اسی طرح ضرورت رسالت ختم رسالت اور اوس ختم رسالت کی برگزیدگی اون کے  
 عالیشان مدارج اون کا فطرت کے کمال کا نمود ہونا اور اسلئے خلقت خلق سے انکا مقصد  
 و محبوب ہونا اور اسی طرح کلام مجید کی حقانیت اسکا خدا کا کلام ہونا اور علیٰ ہداساری  
 نعمتون اور برکتون کا اوس پر تمام ہونا یہ ساری باتیں آپ نے دلائل عقلی سے کیفیات  
 دلی اور جذبات روحانی سے فطرت کی مطابقت اور شہادت سے بیان کیں اور سمجھایا  
 بلکہ کامل مشاہدہ دکھلا دیا جسکا تسلیم کرنا بھی عقل سلیم کو مجبوراً غلطی نہ فطر تا لازم ہے اس لئے  
 لَاقِي وَجْهَتِي وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَقِيقًا وَآمِنًا  
 يَا اللَّهُ مَا هُوَ بِصَفَاتِهِ وَرَسُولِ اللَّهِ مَا هُوَ عِنْدَ رَبِّهِ وَيَكَلِّمُ اللَّهُ  
 مَا هُوَ حُجَّةٌ عِنْدَ رَسُولِهِ اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا نَجِّبَتِكَ وَنَيْبَتِنَا عَلَيَّ  
 طَاعَتِكَ وَطَاعَةَ رَسُولِكَ وَاهْدِنَا هِدَايَةَ كَلَامِكَ رَبَّنَا احْسِبْنَا  
 مُسْلِمًا وَنُوفِنَا مَوْمِنًا وَأَحْسِنْنَا حَسَبًا وَالْحَقْنَا بِالصَّالِحِينَ

# تقریظ

جامع علوم ظاہری منبع علوم باطنی قدوة السالکین مولانا شاہ  
محمد بدیع الدین صبا قادری ام برکاتہ سجاد نشین نقاہ مجیبہ پھلواری ضلع پٹنہ

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَسَلَّمَ  
واصحابہ واتباعہ واجباہ الی یوم القیام۔ اس رسالہ دعوت الحق کو ربیع کے قریب خود جناب حافظ  
محب الحق صاحب مصنف رسالہ کے زبان سے میں نے سنا اور بہت محفوظ ہوا بقیہ کو آخر تک  
مطالعہ کیا۔ حق یہ ہے کہ جس مضمون میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور جس خوبی کیساتھ اول سے آخر تک  
تمام کیا گیا ہے جو تک میں نے نہ دیکھا تھا اور نہ سنا۔ میں جس قدر اسکے مضامین سے خوش ہوا ہوں  
اسکی شہادت میری اس دعا سے ظاہر ہے جسکو معزز و کامیاب مصنف کے حق میں لکھتا ہوں  
بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَعْنٰی وَتَحْنِیْ جَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ مجھے امید و اشق ہے کہ  
طالبان راہ حق اس دعوت کو ضرور لبتیک کیسکے اور کل افراد اسلام بلا تخصیص مذہب  
جن کے پاس یہ رسالہ پہنچے شوق سے ہر حساباً لکھ کر اسکا خیر مقدم کریں گے۔ میرے  
حسن ظن کے موافق اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبولیت تام کا درجہ عطا فرمائے والحمد للہ اولاد افرا  
و ظاہر اہل باطن و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ و اصحابہ و بارک وسلم و شرف و کرم۔

خادم رسول اللہ الامین محمد بدیع الدین قادری پھلواری  
اصح اللہ حال۔ ۱۲ صفر شعبہ ۱۳۶۲ ہجری نبوی

# تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد

آجکل ایک غلط فہمی ہے کہ فلسفہ اور سائنس اسلام پر حملہ آور ہے فلسفہ قدیم کا روح جب اسلامی دین کے  
 زمانہ میں ہوا تھا جب بھی یہی غلط فہمی ہوا تھا۔ اس وقت بھی جو خدا مانا اسلام اسلام کی حمایت میں کھڑی  
 ہوئے تھے انکا نام بھی آج تک بلند ہے۔ یہی باعث ہوا علم کلام کی بنیاد کا اور یوں ہی علم کلام  
 کی بنیاد پڑی۔ آج وہ دن پھر پیش آیا یعنی فلسفہ قدیم بدل گیا تو پھر جب سوال ہی باقی نہ رہا تو  
 جواب بیکار۔ اب فلسفہ جدیدہ کا دور ہے۔ آج بھی وہی ضرورت ہے کہ حامیان اسلام اٹھیں اور  
 بمقابلہ فلسفہ جدیدہ اسلامی حمایت کو کھڑے ہوں۔ قوم نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور  
 اطراف و جوانب سے کچھ کچھ کتابیں شائع ہونے لگیں۔

میں نے سب کتابوں کو دیکھا مگر کوئی کتاب اور پمبل اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ اکثر کتابیں  
 اسی کسی کے مضامین کی نقل جو ان دلیلوں سے جسے مخالف اور کاسٹیشنس تسمیہ کرتا ہو کچھ ثابت نہیں کیا  
 یہ رسالہ دعوت الحق جو میری سائنس سے ہوئے اسے شروع سے آخر تک دیکھا ہے یہ رسالہ آپ اپنا جواب جو اسلام  
 کی حقانیت یعنی توحید رسالت اور قرآنی حقانیت محض دلیل عقلی سے اور عقیدہ لائل سے نہیں کہہ سکتے  
 اور عقائد اسلام کو بھی تسلیم سے گذر نہیں سکتا بمقابلہ فلسفہ جدیدہ وہریت اور سائنس کے ساتھ ثابت کیے اور فلسفہ  
 مشکل مسائل خاصا فلسفہ بنیاد پر واضح اور کٹھن جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے یہ بھی اس کتاب کی خاص خصوصیت ہے  
 یہ کتاب میری پاس ہی اور انگریزی ان جماعت نے نہایت شوق و اشتیاق کیساتھ میری زبان کر دیکھا اور سب نے  
 ایمان تازہ کیا اور قرار کیا کہ یہ کتاب ہم انگریزی ان کے لئے بھی بیکار علاج ہو اسے ساتھ شائع ہونا چاہئے اور اس کو  
 ترجمہ کر کے جاپان امریکہ چین جاپان اور جی ایس کے لئے خاص خصوصیت اس کتاب کی ہے کہ قبل چھپنے اور شائع ہونے سے پہلے اس کو  
 وہ جہاز بند ہے اس کتاب میں انشاء اللہ دیوبند کھاؤ گا اس وقت میں نہیں چڑھ سکتا اس کتاب کو



۲۹۷۶۴۵

۲۲- ر

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار  
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی  
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

---

۲۹۷۵۸۵

۷-۲۷

دعوہ الحق

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۲۹۷۵۸۵

۱۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۲۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۳۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۴۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۵۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۶۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۷۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۸۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۹۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۱۰۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے

۱۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۲۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۳۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۴۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۵۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۶۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۷۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۸۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۹۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے  
 ۱۰۔ اس میں جو مال ہے اس کا مالک ہے



